بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا

جمال و حسنِ قرآن نورِ جانِ ہر مسلماں ہے ٭ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ماہانہ ترجمان

الفرقان

احمد نگر ـ ربوہ

جلد ۴ ——— نمبر ۶

جون ۱۹۵۴ء

چندہ سالانہ
پانچ روپے

٭

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے!

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

سعودی عرب کی سیاست میں عظیم الشان تبدیلی!

پہلی مرتبہ مجلسِ وزراء معرضِ وجود میں آئی ہے!!

شاہِ عرب کا پاکستان سے پرخلوص تعلق کا اعلان

[سعودی عرب کے دارالسلطنت الریاض میں ۲۲ رجب ۱۳۷۳ھ ہجری مطابق ۷ مارچ ۱۹۵۴ء کو جلالۃ الملک شاہ سعود بن عبدالعزیز آل سعود نے مجلس وزراء کا پہلی مرتبہ افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر افتتاحی خطبہ میں آپ نے فرمایا:-]

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد الیکم اللہ الذی بفضلہ تتم الصالحات وبعونہ وقدرتہ تنجح المساعی وتحقق الآمال ونصلّی ونسلّم علیٰ نبیّنا محمّد خاتم الانبیاء والمرسلین الذی جاءنا من عند اللہ بما کفل لنا خیر الدنیا والآخرۃ

امّا بعد فکل منا قدر ویقدر مقدار الفاجعۃ العظمی التی فجعنا بھا بوفاۃ مجدد مجدنا وبانی أساس دولتنا الوالد العزیز عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن الفیصل قدس اللہ روحہ وتغمدہ برحمتہ وجعل مثواہ جنات النعیم، فلقد اعاد لنا بفضل اللہ مجد آبائنا وأجدادنا وأسس دولتنا فکان لھا مرکزھا بین العالمین کما کان لہ رحمہ اللہ من المنزلۃ فی العالم ما تعلمون، وان ما ترکہ لنا من التراث ومن السمعۃ العظیمۃ فی محافل العالم نعتبرہ رکناً من أرکان مفاخرنا تتحدث بہ الایام والعصور، ولقد کان عزاؤنا الوحید بعد ھذہ الفاجعۃ ما من اللہ بہ علینا اذ وھبنا فضیلۃ الصبر والتجلد فی ساعۃ الفاجعۃ فلم یذھلنا ھول المصاب عن الواجب للسیر فی الخطط التی رسمھا لنا رحمہ اللہ، وقد واسی جراح قلبنا ما رأیناہ من التفافکم حولنا وشدکم ازرنا ومبایعتکم لنا بقلوبکم قبل أیدیکم وما احاطنا بہ الشعب من تأیید ومبایعۃ علی السمع والطاعۃ علیٰ سنۃ اللہ ورسولہ وھذا یذکرنا بما فعلہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم من الخلفاء الراشدین فکان ذلک العزاء الوحید لنا ولکم ولشعبنا وکان حافزاً جدیداً حدانا الی مواصلۃ اللیل والنھار للعمل علیٰ ما فیہ النھوض ببلادنا واسعاد شعبنا۔

لقد کان ھمنا منذ تولینا مقالید الأمور ان نعتصم بکتاب اللہ ونھتدی بھدی رسول اللہ وسنۃ خلفہ من السلف الصالحین ثم نتبع سیرۃ والدنا العظیم فی السیاسۃ والادارۃ وفی کل مجال من مجالی الاصلاح سلک سبیلہ وفتح لنا طریقہ لنتعھد ما شید ونتم ما بدأ فیہ من أعمال ونقوم بکل ما نستطیعہ لما فیہ مصلحۃ بلادنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمارہ ۶	جون ۱۹۵۴ء	الفرقان	شوال ۱۳۷۳ھ	جلد ۴

فہرست مندرجات

نمبر شمار	عنوان مضمون	مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	سعودی عرب کی سیاست میں عظیم الشان تبدیلی (شاہ عرب کا پاکستان سے پُرخلوص تعلق کا اعلان)	جریدہ اُم القریٰ سے شاہ حجاز کا خطاب اور اس کا ترجمہ۔	۳
۲	قرآن مجید کا معیارِ نجات	ایڈیٹر	۴
۳	دادے کے ترکہ میں پوتے کی وراثت	جناب چودھری غلام احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ پاکپتن	۹
۴	الفرقان کے متعلق دو قارئین کی آراء	.. ..	۱۰
۵	قرآن کریم نے دنیا کی مشکلات کا کیا حل پیش کیا ہے؟	جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان	۱۱
۶	سلسلہ انبیاء میں خاتم النبیین صرف رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں	جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائل پور	۱۹
۷	تحقیق اُم الالسنہ (عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونیکا قطعی ثبوت)	جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور	۲۵

قرآن مجید کا سلسل اردو ترجمہ مختصر تفسیری نوٹوں کیساتھ

گزشتہ نمبر میں البیان کے زیر عنوان ایک رکوع کا ترجمہ ایک مطبوعہ مترجم قرآن کریم سے نقل کیا گیا تھا (اس بارے میں ایک مکتوب صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں) بلاشبہ یہ ایک لمبا کام ہے اور ایک ایک رکوع کرکے رسالہ میں اسے چھاپنا بہت وقت چاہتا ہے تاہم یہ تجویز فی حد ذاتہٖ نہایت مفید ہے اسلئے ارادہ ہے کہ انشاء اللہ آئندہ نمبر سے البیان کے ماتحت سلیس اردو ترجمہ مختصر تفسیری نوٹوں کے ساتھ شائع کیا جائے۔ اور جب اللہ تعالیٰ توفیق بخشے تو اسے جلد یا بدیر ایک مجموعہ کی صورت میں چھاپ دیا جائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

فی الحال یہ ترجمہ و تشریح بطور نمونہ شروع ہوگی اور حتی الامکان اسے پوری طرح صحیح اور درست کرکے شائع کیا جائیگا اور کوئی غلطی نہ رہنے دی جایا کریگی۔ احباب کرام اس ترجمہ کو دیکھکر اپنی اپنی آراء سے مطلع فرماویں۔

ابوالعطاء

معذرت

رسالہ کا کاغذ کا پرمٹ کراچی سے آتا ہے اور وہ بالعموم لاہور یا کراچی کے کسی کاغذ فروش کے نام ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بعض دفعہ کاغذ کے حصول میں دقت پیش آتی ہے۔ ماہِ جون کا کوٹا لاہور کی ایک فرم کے نام تھا مگر وہاں جاکر پتہ لگا کہ مالک فرم کراچی گیا ہوا ہے۔

اسلئے

ہمیں کاغذ دستیاب نہ ہوسکا۔ مجبوراً تحریر شدہ ضروری اور اہم مقالات کو بھی روکنا پڑا اور رسالہ کی اشاعت میں بھی

پانچ دن

کی تاخیر ہوگئی۔ جس کے لئے ہم تمام احباب سے معذرت خواہ ہیں۔

مینجر

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

قرآن مجید کا معیارِ نجات!

اسلام کے دینِ فطرت ہونے پر ایک واضح دلیل!!

حصولِ نجات انسان کا فطری تقاضا ہے۔ ہر مذہب میں نجات، مکتی اور فلاح کو انسان کا منتہائے مقصود قرار دیا گیا ہے اور مذہب درحقیقت اسی مقصود کے پانے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ ہے۔

تین بڑے مذاہب ہندو دھرم، عیسائیت اور اسلام نے جہاں نجات کا تصور مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے وہاں اس نجات کا معیار بھی مختلف بتلایا ہے۔ ہندو دھرم کی رو سے انسان کی پیدائش بندھنوں اور علائق کا مجموعہ ہے اور ان بندھنوں سے چھوٹنے کو نجات قرار دیا گیا ہے۔ انسان اس دنیا میں گناہ کی پاداش بھگتنے کے لئے آتا ہے اور پھر مزید گناہوں کے ارتکاب کے نتیجہ میں یہ دنیا اس کے لئے ایسی دلدل بن جاتی ہے جس سے نکلنا ناممکن اور محال ہو جاتا ہے اسلئے وہ ایک گناہ کے نتیجہ میں آواگون (تناسخ) کے نہ ختم ہونیوالے چکر میں پھنس جاتا ہے اور ہندو دھرم کے مطابق مکتی ایک لاحاصل تصور ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہندو دھرم کی مکتی اگر حاصل بھی ہو جائے تب بھی عارضی اور محدود ہوتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد انسان کے محدود اعمال پر ہے خدا کے فضل کا اس میں کوئی دخل نہیں اسلئے وہ بہرحال محدود ہوگی۔ ہندو دھرم نے اس نجات کے حاصل کرنے کا معیار یہ قرار دیا ہے کہ انسان گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے اور زندگی میں اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ یہ معیار اس نظریہ پر مبنی ہے کہ ایشور کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ پس ہندو دھرم کی رو سے جب کسی انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اسے اس کی سزا کے لئے جنم جنم کے مختلف چکروں میں سے گذرنا پڑیگا اور اس طرح اس کی نجات کبھی بھی ممکن نہ ہوگی۔

عیسائیت نسلِ آدم کو پیدائشی گنہگار مانتی ہے اور اس میلانِ گناہ اور گناہ کے خاتمہ کو نجات کے نام سے تعبیر کرتی ہے عیسائیت کے نزدیک بھی خدا باپ بغیر معاوضہ اور کفارہ کے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنی اس "کمزوری" کا ازالہ یوں کیا کہ اپنے اکلوتے کو ایمانداروں کی نجات کے لئے کفارہ کر کے صلیب پر مار دیا اور اس کی تین دن کی ہاویہ کی سزا کے بدلے اس پر ایمان لانیوالے ہمیشہ کے لئے بخشے جائیں گے۔ عیسائیت نجات اور بہشت کو دائمی قرار دینے کے ساتھ ساتھ جہنم اور سزا کو بھی دائمی اور لامحدود قرار دیتی ہے جہاں پر گنہگاروں کے لئے ابدالآباد تک رہنا اور رنج و اذیت سہنا ہوگا۔

عیسائیت کا پیش کردہ تصورِ نجات بھی فطری نہیں۔ ہر شخص کے اپنی صلیب خود اٹھانے کا اصول تو بہت اچھا ہے مگر اس اصول کو جامۂ عمل پہنانے کا موقع دینا بھی ضروری ہے۔ اگر غلطی اور گناہ کا ارتکاب انسان کے لئے ممکن ہے تو اسکے ازالہ اور تلافی کا بھی اسے موقع ملنا چاہیئے۔ آج کے گنہگار کے دل کے زنگ کے دور کرنے میں اور حضرت مسیحؑ کے دو ہزار سال پیشتر یہودیوں کے ہاتھوں صلیب پر مرنے میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ درحقیقت عیسائیت کا تصورِ نجات بھی اسی محور کے گرد چکر کھاتا ہے کہ انسان کے گناہ کسی بیرونی معاوضہ کے بغیر دھوئے نہیں جا سکتے اور گنہگار انسان کے لئے نجات نہیں ہے۔ اور پھر جب کوئی انسان ایک مرتبہ مستحقِ سزا قرار پا گیا تو کبھی بھی اس کے لئے اس جہنم سے نکلنا ممکن نہ ہوگا۔

اسلام انسان کو اس دنیا میں آتے وقت پاک اور معصوم مانتا ہے اور اسے لامحدود روحانی طاقتوں کا مالک قرار دیتا ہے جن کے پنپنے اور نشو و نما پانے کے لئے اسے اس میں پیدا کیا گیا ہے۔ اگرچہ انسان کی یہ زندگی ناپائیدار اور محدود ہے مگر انسان اس جگہ سے وہ ذخیرہ جمع کرتا ہے جو آخرت میں لامحدود ترقیات کا موجب بنتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے نجات (گناہ سے چھوٹ جانا) محض منفی کمال ہے اور انسان کا اصل درجہ اسکے منفی کمال میں نہیں بلکہ مثبت کمال میں ہے۔ مثبت کمال انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے ظرف

کے مطابق اللہ تعالیٰ کے صفات میں ہمرنگی اختیار کرے اور اسکے اخلاق کو اپنائے۔ گناہ انسانی فطرت کا خاصہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں کے غلط استعمال کا نام ہے۔ جس طرح انسان کے لئے گناہ کا ارتکاب ممکن ہے اسی طرح اسکا ازالہ بھی انسان کے اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے جس کے لئے نہ تناسخ کے چکّر کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی مقدس کی صلیبی موت درکار ہے بلکہ گنہگار کے دل کا زنگ خود دل کے آنسوؤں سے دھویا جاتا ہے۔ اور اس تختی کو صاف کرنے کے لئے خود انسان کی کاوش اور اس کے گریہ و بکا کی ضرورت ہے۔

اسلام نے **معیارِ نجات** یہ قرار دیا ہے کہ انسان کی غلطیوں اور اسکی نیکیوں کا موازنہ ہوتا رہتا ہے اور جس شخص کے اعمال میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ براہ راست نجات پا جائے گا۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جن کے نامۂ اعمال میں نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ گویا گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور انسان اپنی نیکیوں کے ذریعہ سے گناہ کے بداثرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ہاں اسلامی عقیدہ کے مطابق مستحقِ سزا گنہگار بھی ابدالآباد کے لئے جہنم کے گڑھے میں نہ گرائے جائیں گے بلکہ ایک لمبی مدّت کے بعد (جو حسبِ حالات ہر گنہگار کے لئے مختلف ہوگی) اپنی اپنی اصلاح کے بعد سب گنہگار جہنم سے نکل آئیں گے اور سب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہیں گے اور انسانیت کے اصل مقصد کو پورا کریں گے۔ گویا اسلام ہر گرنے والے کو سنبھلنے کا موقع دیتا ہے اور گر جانے کے باوجود اس کے اُٹھنے کی راہ پیش کرتا ہے اور پھر ہر ناکارہ سے ناکارہ انسان کو بھی آخرکار خدا کے آستانہ پر جھکاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے جنّت انسان کی نیکی پر خدا کے فضل کے نتیجہ میں ہے اور جہنم انسان کی بدی کی اصلاح کی خاطر ہے۔ اسی لئے اسلام نجات کو غیر محدود اور جہنم کو محدود قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید کا نظریہ کس قدر معقول اور فطری ہے وہ انسان کو پچھلے گناہوں کی پیداوار قرار نہیں دیتا اسے ایک مستقل پاکیزہ وجود ٹھہراتا ہے۔ اس کے لئے غیر معمولی روحانی ترقیات کے دروازے کھولتا ہے اور اسمیں لا محدود استعداد رکھتا ہے اور پھر ان استعدادوں کے اُبھرنے کے سامان پیدا کرتا ہے اور اس کیلئے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ اس نے اس کے لئے معیارِ نجات ایسا مقرر کیا ہے کہ ہر مرحلہ پر انسان کیلئے کامیابی کا امکان ہے، کسی مرحلہ پر اسے مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کا یہ امید افزا پیغام گنہگاروں میں روح زندگی پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ
رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ
جَمِيْعًا۔

"(اے رسول) کہدے کہ اے میرے بندو! بیشک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا مگر خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف کر سکتا ہے۔"

بے شک اسلام گناہ کو زہر قرار دیتا ہے مگر وہ اس زہر کا تریاق بھی پیش کرتا ہے اور گرے ہوئے بندوں کو اٹھاتا ہے۔ اگر کوئی ہندو دھرم، عیسائیت اور اسلام کے پیش کردہ تصوّرِ نجات اور اس کے معیار پر غور کرے تو اسے اسلام کے دینِ فطرت ہونے پر ایک واضح دلیل نظر آسکتی ہے۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

خریدارانِ الفرقان کیلئے

۱۔ پتہ کی تبدیلی کی اطلاع ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک ملنی چاہیئے۔

۲۔ رسالہ نہ ملنے کی اطلاع ہر ماہ کی دس تاریخ تک آنی چاہیئے۔ بروقت اطلاع آنے پر دوبارہ رسالہ بھیج دیا جاتا ہے۔

مینیجر

مذاکرۂ علمیہ

دادے کے ترکہ میں

(پوتے کی وراثت)

(مکرم چوہدری غلام احمد صاحب ایڈووکیٹ - پاکپتن)

رسالہ الفرقان ربوہ جلد ۴ شمارہ ۲-۳ بابت ماہ فروری و مارچ ۱۹۵۴ء میں دادے کے ترکہ میں پوتے کی وراثت کے بارے میں چار مضمون شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے میرے مضمون اور جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام گوجرانوالہ کے مضمون میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا کہ ایسا پوتا جس کا باپ دادے کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو اپنے چچا یا تایا کی موجودگی میں از روئے شریعت وارث قرار نہیں پاتا۔ اس کے برعکس دو مضمون نگاروں کا نظریہ یہ تھا کہ مذکورہ بالا صورت میں پوتا دادے کے ترکہ میں وارث قرار پانا چاہیئے۔

پہلے دو مضامین میں فقہ حنفیہ کے اصول الاقرب فالاقرب سے استدلال کیا گیا تھا۔ اور میں نے اپنے مضمون میں بیان کیا تھا کہ فقہ حنفیہ میں یہ اصول قرآن کریم کی آیات مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (یہ سورۃ النساء میں وراثت کے معاملہ میں تین دفعہ آئی ہے) اور لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا سے استنباط کیا گیا ہے۔ یعنی اجماع اُمت کا یہ اصول کتاب اللہ کے عین مطابق ہے اور حدیث اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔ یعنی میراث اپنے اہل کے تئیں پہنچا دو۔ اور جو باقی رہے وہ زیادہ قریبی مرد کے واسطے ہے۔ (تجرید البخاری حصہ دوم صفحہ ۲۹۲) سے اِس اصول کی تائید مزید ہوتی ہے۔ پھر عقل اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ دنیا میں معاملاتِ وراثت میں بعیدیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ قریبی ہی وارث قرار پاتے ہیں۔ غرضیکہ اصول الاقرب فالاقرب بہمہ وجوہ درست اور صحیح ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور مسلّمہ، محکم اور عالمگیر اصول ہے۔ اور اسلامی زمانے کے چودہ سو سال میں اس پر نہ تو کبھی اعتراض ہوا اور نہ اس پر شک و شبہ ہوا۔ ایسے سچے اصول کی پابندی سے اگر پوتا مذکورہ بالا صورت میں محروم الارث ہوتا رہا ہے تو کسی کو جائے شکایت نہیں ہونی چاہیئے اور نہ اِس اصول کو تبدیل کرانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یاد رہے کہ اس اصول کے ماتحت صرف پوتا ہی مذکورہ بالا صورت میں محروم الارث نہیں ہوتا بلکہ اور بہت سے رشتہ دار بھی محروم الارث ہو جاتے ہیں۔ مثلاً:-

(۱) پوتے کی موجودگی میں پڑوتا یا پڑپوتا (خواہ کتنا بھی نیچے ہو) محروم الارث ہوتا ہے۔

(۲) بیٹوں کی موجودگی میں پوتیاں اور پڑپوتیاں (خواہ کتنی بھی نیچے ہوں) محروم الارث ہو جاتی ہیں۔

(۳) باپ کی موجودگی میں دادا اور پڑدادا (خواہ کتنا ہی اوپر ہو) محروم الارث ہو جاتے ہیں۔

(۴) باپ دادے کی موجودگی میں بہن اور بھائی محروم الارث ہو جاتے ہیں۔

(۵) اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں علاتی بہن بھائی محروم الارث ہو جاتے ہیں۔

(۶) علاوہ ازیں بھتیجیاں اور پھوپھیاں از روئے شریعت عصبات کی فہرست میں ہی نہیں آتیں اور ان کے مقابلہ پر بھتیجے اور چچے جد میں خواہ کس قدر بھی اوپر ہوں عصبات کی فہرست میں شامل نہیں۔ اگر کوئی اس بات پر اعتراض کرتا ہے تو وہ اس اصول پر نہیں بلکہ مذکورہ بالا حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ پوتے کے محروم الارث ہونے سے اکثروں کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی ہے لیکن اس اصول کے ماتحت مذکورہ بالا تمام رشتہ داروں کے محروم الارث ہونے سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اور نہ ان کے لئے قانونِ وراثت شرعی میں ترمیم، تبدیلی اور تنسیخ کرانے کی کوشش کرتا ہے۔

پوتے کے محروم الارث ہونے سے اسے مظلوم قرار دیا جاتا ہے مگر مذکورہ بالا تمام رشتہ داروں کے محروم الارث ہونے سے ان کو مظلوم بھی قرار نہیں دیا جاتا۔ تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ جہاں پوتے کے بارے میں قانونِ وراثت میں تبدیلی کی ضرورت ہے وہاں مذکورہ بالا رشتہ داروں کے بارے میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ایسا کہہ دینا آسان ہے اور کسی اصول پر نکتہ چینی کر دینا بھی آسان ہے جیسا کہ بعض احباب نے اصول الاقرب فالاقرب پر نکتہ چینی کی ہے لیکن اس اصول کے مقابلہ میں کوئی اور متبادل اصول پیش کرنا دشوار ہے جو کہ محکم اور ہمہ گیر ہو اور پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہو اور مخالف نہ ہو۔ میں نے دونو مخالف مضامین پر غور کیا ہے اور دوسری اخباروں میں شائع ہونے والے مضامین پر بھی غور کیا ہے۔ مجھے تو حسرت ہی رہی کہ کسی صاحب نے اصول الاقرب فالاقرب کے مقابلہ میں کوئی اور متبادل، محکم اور ہمہ گیر اصولِ وراثت پیش نہیں کیا۔ البتہ ایک صاحب نے اپنے مضمون میں اس طرح اشارہ کیا ہے:۔

> "جب وراثت کے معاملات میں پوتا بیٹا بن گیا اور پوتی بیٹی کی حیثیت اختیار کر گئی تو قرب اور بعد کا سوال اٹھ گیا۔ اور پوتا بیٹا بن کر ہمراہ عم خود وارث ہو گیا۔" (الفرقان صفحہ ۲۱)

سبحان اللہ! کیا عجیب استدلال ہے۔ کتاب اللہ تو کہتی ہے کہ قرب کے لحاظ سے وراثت ہوتی ہے اور یہ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰہِ ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ یعنی اصحاب الفرائض کے بعد قریبی مرد وارث ہوتا ہے اور یہ صاحب قرب اور بعد کے سوال کو اٹھا رہے ہیں۔ کیا دنیا میں کہیں ایسا اصول بھی رائج ہوا ہے کہ قریبی اور بعیدی رشتہ داروں کو یکساں طور پر وارث مانا گیا ہو؟ کیا یہ صاحب اپنے قرب اور بعد کے یکساں اصول سے مذکورہ بالا چھ قسم کے محروم الارث رشتہ داروں کو وارث قرار دینے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ مثلاً اگر وارثے کے پوتے اور پڑپوتے موجود ہوں تو پوتوں کے ساتھ پڑپوتوں کو وارث ٹھہرانے کے لئے تیار ہوں گے؟ کیونکہ ان کے نزدیک قرب اور بعد میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح باپ اور دادے اور پڑدادے سب کے زندہ ہونے کی صورت میں ان سب کو ایک ہی وقت میں وارث ٹھہرانے کو تیار ہیں کیونکہ ان کے نزدیک قرب اور بعد میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح دیگر محروم الارث رشتہ داروں کی نسبت بھی اسی طرح ان سے سوال کیا جا سکتا ہے؟ پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ قرب اور بعد کو یکساں قرار دینے کا اصول نہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہے بلکہ عقل اور قیاس بھی اسے دھکے دے رہے ہیں۔ پس مخالف نظریہ پیش کرنیوالے اصحاب کوئی محکم اور ہمہ گیر اصولِ وراثت بمقابلہ اصول

الا قرب فالا قرب پیش نہیں کر سکتے۔

پھر ایسے اصحاب نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اسلام میں کوئی وفات یافتہ شخص وارث نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سورۃ النساء میں صرف زندہ رشتہ داروں کو اصحاب الفرائض قرار دیا گیا ہے کسی وفات یافتہ شخص کو اصحاب الفرائض کے زمرہ میں نہیں رکھا۔ اور نہ ان کے حصص مقرر ہوئے ہیں۔ مثلاً فرمایا:۔

(۱) فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ۔

(۲) اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ۔

(۳) اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ۔

(النساء ع۲)

(۴) لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ۔

(۵) اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ۔

(النساء ع۲۴)

ان تمام آیتوں میں اولاد کی عدم موجودگی بیان ہوئی ہے۔ اور پھر ان موجود نہ ہونے والوں کا کوئی حصہ وراثت ان آیات میں بیان نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عدم موجود یا وفات یافتہ شخص میت کا وارث نہیں ہوا کرتا۔ پوتے کا والد جب اس کے دادے کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے تو پوتے کا والد بوجہ وفات یافتہ ہونے کے اپنے بعدازاں مرنیوالے والد کا وارث نہیں ہو سکتا۔ جب وہ خود وارث نہیں تو اس کا بیٹا کیسے وارث ہو سکتا ہے جبکہ پوتے سے قریبی اس کے چچا اور تایا موجود ہوں۔ اور یہ اصحاب چاہتے ہیں کہ پہلے وفات یافتہ بیٹا وارث قرار دیا جاوے پھر اس کا بیٹا (یعنی دادا میت کا پوتا) وارث قرار دیا جاوے۔ اور یہ دنیا کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔

پھر ایک صاحب نے آنحضرت صلعم اور آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اور آپ کے دادا حضرت عبد المطلب کی مثال پیش کر کے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ حضرت عبد المطلب کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے اور آنحضرت صلعم کے تایا اور چچے موجود تھے، کہ حضرت عبد المطلب بھی رحلت فرما گئے۔ اتنے میں ایک حنفی المذہب پہنچ کر فقہ حنفی کے رُو سے الا قرب فالا قرب کا اصول بنا کر آنحضرت صلعم کے چچوں کو عبد المطلب کے ترکہ کا وارث بنا دیتے ہیں اور آنحضرت صلعم کو محروم الارث قرار دیدیتے ہیں۔

امّا الجواب:۔ مضمون نگار صاحب نے جذبات کو ابھارنے کی خوب کوشش کی ہے، اس کی داد دینی پڑتی ہے۔ لیکن جب حضرت عبد المطلب آنحضرت صلعم کے دادا فوت ہوئے تھے اس وقت حضور نے نہ تو دعویٰ نبوت کیا ہوا تھا اور نہ آپ پر اس وقت کوئی شریعت نازل ہوئی تھی۔ اور نہ احکام وراثت اسلامی اسوقت موجود تھے۔ اور نہ فقہ حنفی کا اس وقت کوئی وجود تھا۔ اسلئے عبد المطلب کے ترکہ میں آنحضرت صلعم کی وراثت کا سوال از رُوئے شریعت اور فقہ حنفی پیدا ہی نہیں ہوتا سو یہ مفروضہ ہی غلط ہے۔ بناء فاسد علی الفاسد کا مصداق ہے لیکن مضمون نگار صاحب نے یہ مثال چسپاں کر دی۔

پھر آپ فرماتے ہیں۔ یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم ...... الخ۔ یعنی بیٹے اور پوتے سب اولاد میں شامل ہیں۔ اسلئے دادے کی زندگی میں پوتے کے والد کے فوت ہو جانے کی صورت میں اور چچا یا تایا کی موجودگی میں پوتے کو دادے کی میراث ملنی چاہیئے۔

امّا الجواب:۔ یہ درست ہے کہ بیٹے، پوتے، پڑپوتے اور بیٹیاں اور پوتیاں اور پڑپوتیاں خواہ کس قدر بھی نیچے ہوں سب اولاد میں شامل ہیں۔ کوئی میت اگر سب قسم کی اولاد چھوڑ مرے تو کیا وہ سب ایک ہی وقت میں سر شماری کے لحاظ سے بلحاظ اصول لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ میراث پانے کے حقدار سمجھے جاتے ہیں؟ یا وہاں آپ اصول الاقرب فالاقرب پر عملدرآمد کر کے صرف بیٹے اور بیٹیوں کو ورثہ دیتے ہیں؟ یہ تو نسل کے لحاظ سے ہوا۔ اب دوسرا اصل کے لحاظ سے بھی

غور کرلیں کہ اگر کسی میت کا باپ، دادا، پڑدادا خواہ کس قدر بھی اُوپر ہو زندہ موجود ہوں تو کیا اِن سب کو ملا کر ایک ہی وقت میں سرشماری کے لحاظ سے ان کا حصّہ ان میں تقسیم کروگے یا وہاں بھی اصول الاقرب فالاقرب پر عملدرآمد کرنا مناسب خیال کروگے؟ اسی طرح اگر کسی میت کی ماں، دادی، پڑدادی اور نانی پڑنانی موجود ہوں تو کیا اِن سب کو ملا کر ایک ہی وقت میں سرشماری کے لحاظ سے ان کا حصّہ ان میں تقسیم کروگے یا یہاں بھی اصول الاقرب فالاقرب پر عملدرآمد کروگے؟ پس یہ کہہ دینا آسان ہے کہ مذکورہ بالا تمام اقسام کے رشتہ دار برابر ہیں اور ان میں قریبی اور بعیدی کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور ان میں یکساں طور پر ورثہ تقسیم کر دینا چاہیئے۔ لیکن تمام دنیا کے قوانینِ وراثت کو چھان مارو آپ کو کوئی قانونِ وراثت ایسا نہیں ملیگا جس کے رُو سے مذکورہ بالا تمام اقسام کے رشتہ داروں کو ایک ہی وقت میں وارث قرار دیا گیا ہو۔ پس آپ لوگوں کا خود ساختہ اصول الاقرب والابعدُ سواءٌ فی المیراث غلط ٹھہرا۔ اسلئے پوتا چچوں اور تاؤں کی موجودگی میں قبل از دادا وفات شدہ والد کی قائم مقامی میں دادے کی میراث کا مستحق نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیئے۔

پھر بار بار اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں یتیم کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے اسلئے یتیم پوتے کو باپ کی عدم موجودگی میں اور اس کے تائے اور چچے کی موجودگی میں لازمی طور پر حقِ وراثت ملنا چاہیئے۔ یتیم پوتے کی احتیاج اور اسلامی اصولِ مساوات کا بھی یہی تقاضا ہے۔

امّا الجواب - دُنیا کے تمام قوانینِ وراثت پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں ایک قانونِ وراثت بھی نظر نہیں آتا جس میں کسی شخص کو محض یتیم ہونے کی وجہ سے یا اس کی احتیاج کو مدِنظر رکھ کر یا اصولِ مساوات کا لحاظ اور واسطہ دیکر اس کو وارث ٹھہرایا گیا ہو۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ دُنیا میں کہیں ایسا اصول بھی پایا جاتا ہے، تو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے۔ ہمارے علم میں تو یہی ہے کہ محض یتیم ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کا وارث قرار نہیں پاتا اور نہ اس میں اصولِ مساوات اور احتیاج کا کوئی دخل ہے۔ قانونِ وراثت میں جو لوگ حق دار ہیں وہی وارث قرار پاتے ہیں خواہ وہ یتیم، مسکین اور محتاج ہوں یا ایسے نہ ہوں۔ محض یتیمی، مسکینی، غریبی اور ضرورتِ احتیاج کسی کو حقِ وراثت نہیں دلاتی۔

پھر تعجب پر تعجب یہ ہے کہ وراثت کے معاملے میں یہ لوگ پوتے کو خواہ مخواہ یتیم اور محتاج فرض کر لیتے ہیں۔ حالانکہ عین ممکن ہے کہ وہ برسرِروزگار ہو اور خوشحال اور دولت مند ہو۔ اور اس کے تایا اور چچا غریب، کنگال اور قلاش ہوں۔

اگر کسی کو خیال ہو کہ یتیم بالغ ہونے پر بھی یتیم ہی رہتا ہے تو اس کے لئے آیت وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔ (بنی اسرائیل ۳۵ ع ۴) یعنی یتیم کے مال کے نزدیک مت جاؤ۔ مگر اس نیت سے جو احسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔) کافی ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء ع ۱، سورۃ الکہف ع ۳ وغیرہ میں بھی یہی اصول بیان ہوا ہے کہ یتیم کے جوان ہونے پر اس میں رشد اور صلاحیت آجاتی ہے اور اس کی عقل اور قوی پختہ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کاروبار سنبھالنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی یتیمی ختم ہو جاتی ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ایک سَو سال کا پیرِ فرتوت جس کا باپ زندہ نہیں یتیم ہی کہلائیگا؟ اگر نہیں تو اسی وجہ سے کہ وہ اب نابالغ نہیں ہے۔ لیکن دادے اور پوتے کی وراثت میں مضامین نویس پوتے کو ہر حالت میں یتیم ہی ظاہر کرتے ہیں تاکہ ان کے دلائل کی کمی جذبات کے اُبھارنے سے پوری ہو جائے۔

پھر مضامین نویس پوتے کو اپنے مضامین میں "مظلوم" بیان کرتے ہیں حالانکہ اگر اس کا حق وراثت از روئے قانون نہیں بنتا تو وہ مظلوم کیسے ہو گیا۔ مظلوم تو اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ بے چارے کا حق وراثت قانون میں موجود ہے اور پھر از راہِ ظلم اس کو نہیں دیا جاتا۔ یہ بھی جذبات کو اُبھارنے کے لئے کہا جاتا ہے۔

پھر ایک اور عجیب بات ہے کہ اگر پوتا میت ہو اور اس کا والد اور دادا اور پڑدادا زندہ موجود ہوں تو صرف والد ہی از روئے شریعت وارث ہوتا ہے۔ دادا اور پڑدادا دونو محروم الارث ہو جاتے ہیں خواہ وہ بوڑھے ضعیف، محتاج اور لاچار ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ وہ اقرب نہیں بلکہ ابعد ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے دادے پڑدادے پر کسی مضمون نویس کو رحم نہیں آتا کہ ان کی حمایت میں اپنا اصول الاقرب والابعد سوائٌ فی المیراث پیش کریں۔

بہر حال ایک صورت میں پوتا بھی دادے کا وارث ہوتا ہے یعنی جب پوتے کا کوئی چچا یا تایا موجود نہ ہو اور اس کا باپ بھی فوت ہو چکا ہو ایسی صورت میں لازمی طور پر پوتا دادے کا وارث ہوتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ پوتا دادے کا وارث نہیں ہوتا۔ کیوں شور مچایا جاتا ہے کہ پوتا یتیم ہوتا ہے اور اس کو وارث نہ بنا کر اس پر ظلم کیا جاتا ہے؟

یاد رہے اگر اصول الاقرب فالاقرب کی بجائے اصول الاقربُ والابعدُ سوائٌ فی المیراث اختیار کیا گیا تو اسلامی وراثت کے موجودہ عصبات کا تمام نظام درہم برہم کرنا پڑے گا اور اس کا تمام تار و پود بکھیرنا پڑے گا۔ پھر بھی فتنہ کا دروازہ کھولنے کے بغیر کچھ دستیاب نہ ہو گا۔ اسلئے اصل الاقرب فالاقرب ہی درست ہے۔

مجالس انصار اللہ و احباب جماعت کا فرض!

الفرقان سے متعلق مرکزی قائد عمومی اور قائد مال کی آراء

(۱) جناب مولانا عبدالرحیم صاحب درد، ایم۔ اے قائد عمومی تحریر فرماتے ہیں:۔

"رسالہ الفرقان علمی اور دینی طور پر ایک نہایت ہی قابل قدر خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ اس رسالہ کا موضوع قرآن مجید ہے اسلئے اسکے عمومی مضامین قرآن مجید کے حقائق و معارف سے ہی متعلق ہوتے ہیں مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی رائے میں ہر مجلس انصار اللہ میں اس رسالہ کا پہنچنا مناسب اور ضروری ہے۔ جملہ جماعت کے انصار اللہ کو تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اس رسالہ کی خریداری منظور کر کے مبلغ پانچ روپے سالانہ مینجر الفرقان ربوہ کے نام بھجوا دیں۔ اُمید ہے کہ آپ ضرور اس قیمتی رسالہ سے فائدہ اُٹھائیں گے اور انصار اللہ میں اس کی توسیع اشاعت کے لئے پوری پوری کوشش فرمائیں گے۔ انصار اللہ کی ماہانہ رپورٹوں میں رسالہ الفرقان کی توسیع کا بھی ذکر ہونا ضروری ہے۔

اس رسالہ کی ادارت اور انتظامی ذمہ داری مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری پر ہے جو مجلس مرکزیہ انصار اللہ کے قائد تبلیغ ہیں۔ تمام دوست اس کارِ خیر میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں۔"

(۲) جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس محنت اور شوق سے ادارہ الفرقان مضامین ترتیب دیتا ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہے احباب کو اس رسالہ کی جتنی قدر کرنی چاہیئے وہ اسکا مستحق ہے کیونکہ احباب کے قرآن مجید کے معارف اور دینی مسائل کے سمجھنے میں یہ رسالہ ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔ گذشتہ سال سے یہ رسالہ انصار اللہ کی سرپرستی میں آگیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ انصار اللہ الفرقان کی توسیع کی غیر معمولی کوشش فرمائینگے اور نیز اپنی اپنی جگہ پر نوجوانوں کو بھی ترغیب دینگے کہ وہ اس رسالہ کے خریدار بنیں اور اسکے مطالعہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ ایک علمی رسالہ ہے اور ادارہ الفرقان کی کوشش نہایت مدح کا مستحق ہے کہ جو عبرت قرآن مجید اور دینی امور کے مطالعہ کیلئے شوق پیدا کرنیکا ایک راستہ کھول رہا ہے۔"

قرآن کریم نے دُنیا کی مشکلات کا کیا حل پیش کیا ہے؟

بین الاقوامی اسلامی اقتصادی تنظیم کے اجلاس میں وزیر خارجہ پاکستان کا خطبہ صدارت

[بین الاقوامی اسلامی اقتصادی تنظیم کے اجلاس خصوصی منعقدہ کراچی کی صدارت فرماتے ہوئے پاکستان کے وزیر خارجہ آنریبل جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ایک فاضلانہ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے انگریزی متن کا ترجمہ ابتدائی تمہیدی امور حذف کرنے کے بعد درج ذیل ہے۔]

حیاتِ انسانی کو ایک سانچے میں ڈھالنے کے لئے کچھ مختلف عناصر کارفرما ہوتے ہیں اقتصادی قدریں اور معیار ان عناصر کا صرف ایک پہلو ہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس طرح توجہ دی گئی ہے کہ ان کے نتیجے میں مقصدِ حیات حاصل ہو جائے۔ یہ مقصد روحانی ہے اور ان فوری مقاصد کی حدود سے بالا ہے جنہیں غیر مذہبی اور مادی نظام قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک طرف اسلام اور دوسرے مذاہب میں اور دوسری طرف اسلامی ضابطۂ حیات اور دوسرے غیر مذہبی مادی نظاموں میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ اسلام بذاتِ خود زندگی کے مادی اور روحانی پہلوؤں میں کوئی واضح تقسیم اور فرق قائم نہیں کرتا اور نہ اسے تسلیم کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام حیاتِ انسانی کو ایک مربوط اور ناقابلِ تقسیم چیز قرار دیتا ہے جو جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اسلام سب سے زیادہ روحانی اور اس کے ساتھ ساتھ مادی ترقی کا خیال رکھنے والا مذہب ہے بعض دوسرے مذاہب میں حیاتِ انسانی کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالتوں میں امتیاز اور فرق پیدا کر دیا گیا ہے لیکن اسلام ان تمام امتیازات کو یکسر منسوخ کرتا ہے۔ وہ زندگی کے کسی پہلو کو ناکارہ اور بے حس نہیں کرتا بلکہ حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں پر توجہ دیتا، انہیں ہم آہنگ اور مربوط کرتا ہے تاکہ اجتماعی طور پر اس کے نتیجہ میں پوری ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ وہ انسانی جذبات کو کچلتا نہیں بلکہ ان کی تسکین کا سامان مہیا کرتا ہے۔ چونکہ اسلام زندگی کے معاملے میں مثبت رویہ رکھتا ہے منفی نہیں وہ زندگی کو قبول کرتا ہے اُسے رد نہیں کرتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام رہبانیت کی ممانعت کرتا اور صحت مند مشغول اور ترقی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (الاعراف ع ۳ پ ۸)۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(اعراف ع ۴ پ ۸)

چنانچہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی احکامات کا مقصد اسی مقصد و منتہیٰ کی طرف لے جاتا ہے اس مقصد کی اللہ تعالیٰ نے تشریح فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ

انسان کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عبد بن جائے یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس لے کر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو تخلقوا باخلاق اللہ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کرلے۔ اس دنیا میں انسانی زندگی کے ہر مسئلے کا حل تلاش کرتے وقت ہمیں اپنے اس مقصد و منتہے کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں میں یہ بات واضح کردوں (تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہ جائے) کہ اسلام اس عالم کی زندگی کو نظر انداز کرنے اور اخروی زندگی کے حصول کی خاطر اس دنیا کی قدروں کو فراموش کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کے برعکس وہ باصرار اس بات پر زور دیتا ہے کہ اخروی زندگی اس دنیاوی زندگی کے مقصد کو پورا کرکے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہر پہلو اس لحاظ سے اعلیٰ تر اقدار اور عظیم تر وقار کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور ایک ایسی امانت بن جاتا ہے جس کا سنبھالنا انسان کا فرض ہو جاتا ہے۔ کائناتِ عالم کی پیدائش اور الہام کے ذریعہ انسان کی رہنمائی کی غرض بھی یہی ہے کہ انسان اپنی حقیقی منزل پر پہنچ سکے۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ۔ یہ مقصد اعمالِ صالحہ اور زندگی کے تمام شعبوں میں صحیح طریقہ سے جدوجہد کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس تمام عرصہ میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اصل مقصد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور کوئی کمتر مقصد اس کی جگہ نہ لے لے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔

(سورہ کہف)

چونکہ اسلام اس دنیوی زندگی اور اخروی زندگی دونوں کی طرف برابر توجہ دیتا ہے اسلئے اس دنیوی زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو کو بنی نوع انسان کی بہبود کے کام پر اس طرح لگایا ہے کہ یہ زندگی اخروی زندگی کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اور اس طرح اخروی زندگی اسی دنیوی زندگی کی ہی ایک کڑی بن جاتی ہے۔

اس دنیا کی زندگی کے متعلق اسلام نے جس سنہری اصول کی ہمیں تعلیم دی ہے وہ یہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔

ہم نے تمہیں درمیانی راستہ پر چلنے والی
قوم بنایا ہے تاکہ تم بنی نوع انسان کے لئے
ایک معیار یا ایک نمونہ بن سکو۔

یہ تعلیم گویا زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی احکام کا مفہوم سمجھنے کے لئے ایک کنجی کا کام دیتی ہے۔ دوسرے شعبوں کی طرح اقتصادی میدان میں بھی اسلامی نظام شدّت اور انتہا کو کم کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور دوسرے نظاموں کی افراط و تفریط سے بچا کر ایک ایسا نظام ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بنی نوع انسان کے لئے مفید ہے اور جس کی بدولت ایک مربوط اور ترقی پذیر سوسائٹی جنم لیتی ہے۔ اسلامی نظام کم سے کم باؤ ڈالتا ہے اور ہمیں اخلاقی لحاظ سے بلند کرکے رضاکارانہ طور پر آگے بڑھنے کی کوشش کرنے کو کہتا ہے۔ اگرچہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسانی تعلقات کو استوار کرنے میں حقوق کی تشریح اور توضیح اور ذمہ داریوں کو نظر انداز نہیں کرتا۔ تاہم وہ اس بات پر زیادہ زور دیتا ہے کہ ہم اپنے حقوق منوانے اور ان پر اصرار کرنے کے مقابلے میں اپنی ذمہ داریاں نباہنے کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ چنانچہ اسلام کے اسی اصرار کی وجہ سے نہ صرف انسان اپنی ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف راغب ہوتا ہے بلکہ ہر قسم کے طبقاتی اور جماعتی امتیازات ختم کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

ہمیں آجکل ہر طرف سے یہی پکار سنائی دیتی ہے

کہ تمام انسان برابر ہیں۔ جب تک یہ جذبہ انسان کی قدر و قیمت اور اس کے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے ہو اس وقت تک یہ بڑا اچھا حقیقت پسندانہ اور سچا جذبہ ہے۔ لیکن جب یہی تشریح عام رنگ میں کی جائے اور ایسے شعبوں سے متعلق ہو جہاں عدم مساوات ایک ظاہر و باہر حقیقت کے طور پر موجود ہو، نہ صرف موجود بلکہ انسان اور اس کائنات کی پیدائش کے مقصد کو پورا کرنے کیلئے ضروری ہو اس وقت تمام اقدار اور سارے معیار ٹوٹ کر غلط ملط ہو جاتے ہیں۔ انسانوں کی جسمانی ساخت، رنگ اور بات چیت کرنے کے طریقے میں اختلاف کے علاوہ ذہانت و عقل، تدبر و تفکر کے مادے میں کمی بیشی اور اختلاف کی وجہ سے انعام و معاوضے میں عدم مساوات ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہونے کی بجائے مسلسل رجعت کی گہرائیوں کی طرف گرتا چلا جاتا۔ ایسے اقتصادی نظام جو کام کی نوعیت، کوشش اور جدوجہد کے فرق کا لحاظ کئے بغیر مصنوعی مساوات اور مساوی معاوضے کی ادائیگی پر زور دیتے ہیں۔ انہیں مساوات کے اس نظریے میں یا تو بڑا رد و بدل اور ترمیم کرنی ہوگی یا دو تین نسلوں کے بعد ان میں یہ صفات رفتہ رفتہ بڑی حد تک معدوم ہو جائیں گی۔

اسلام انسانی اخوت پر زور دینے اور ہر قسم کے طبقاتی امتیازات اور مخصوص حقوق ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان حقائق کو بھی تسلیم کرتا ہے جو عدم مساوات پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اس اختلاف اور عدم مساوات کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتیجے میں پراگندگی، افراتفری اور بددلی پھیل جائے گی۔ مثلاً قرآن کریم فرماتا ہے:-

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ
بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر جو فوقیت دی
ہے اس کی حریفانہ خواہش مت کرو۔

یہ بظاہر عدم مساوات جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے دنیا کا کاروبار جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ عدم مساوات ختم کر دی جائے تو اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کی ساری جد و جہد اور مسابقت کی روح ختم ہو جائے گی اور کائناتِ عالم کی پیدائش کی غرض فوت ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اسی خیال کا ذکر فرمایا ہے:-

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ
خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (پ۲۵)

یہاں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مادی انعام اور ان میں عدم مساوات کی وجہ سے بنی نوع انسان کے مختلف طبقات اس بات پر مجبور ہیں کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے بلکہ باہمی تعاون سے کام کریں جس کے لئے انسان اور ساری کائنات معرضِ وجود میں لائی گئی ہے۔

لیکن زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام نے یہاں بھی کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ اگرچہ مسابقت اور رقابت کا جذبہ انسان کی ترقی اور اس کی پیدائش کی غرض پوری کرنے کے لئے ضروری ہے۔ پھر بھی اگر اس پر کچھ پابندیاں اور حد بندیاں عائد نہ کی جائیں تو یہی مسابقت کی روح اور ایک دوسرے سے مقابلے کا جذبہ نا انصافی پیدا کرنے کا موجب بن جائے گا اور ظلم اور تشدد کا رنگ پکڑ لے گا۔ اس لئے اسلام نے اس پر پابندیاں لگا دی ہیں تاکہ اس کا مفید پہلو برقرار رہے اور اس کے تمام نقصان رساں عناصر ختم ہو جائیں۔ ان پابندیوں کا بڑا مقصد اور مدعا جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے:-

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ
مِنْكُمْ۔

یعنی دولت صرف مالدار طبقے میں تقسیم ہونے
تک ہی محدود نہ رہ جائے۔

یہ مقصد اجارہ داریاں اور ضرورت سے زیادہ منافع اندوزی ختم کرنے اور زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے دولت کی وسیع پیمانے پر تقسیم کے اسلامی احکام پر عمل کرنے کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی قانون وراثت اور قرض دیئے ہوئے روپے پر سود لینے کی ممانعت کے ذریعے بھی دولت کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دیا گیا ہے۔ اس طرح دولت کے چند آدمیوں کے ہاتھوں میں جمع ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا۔

اب اگر خالصتاً اقتصادی پہلو کو لیا جائے تو بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلام کے نزدیک اقتصادی مسئلے اور دولت پیدا کرنے میں دو فریق یعنی سرمایہ دار اور مزدور ہی نہیں بلکہ تین فریق ہیں۔ تیسرا فریق اجتماعی حیثیت میں قوم ہے۔ اسلام کے نزدیک دولت حاصل کرنیکے اصل ذرائع یعنی زمین اور اس کے تمام خزانے سورج، چاند، ہوائیں جو بادلوں کو پیاسی کھیتیوں کی طرف اُٹھا کر لیجاتی ہیں اور زمین و آسمان کی ہر چیز، اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی ہے نہ کہ کسی خاص فرد یا کسی خاص طبقے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا
لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ
فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ
الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ
لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○

یہ صحیح ہے کہ اسلام نجی ملکیت تسلیم کرتا اور اسکی حفاظت کرتا ہے لیکن یہ ملکیت حقیقی ملکیت نہیں۔ حقیقی مالکیت اور ہر چیز پر حقیقی حکومت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ کسی املاک پر انسان کا قبضہ ایک قسم کی امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ساری قوم کی طرف سے اس کو دی ہے۔ یہ امانت اس شخص کے حقوق ملکیت اور اس کے استعمال کے حق کو محدود کرکے اس پر پابندیاں عائد کرتی ہے۔

اسلام پیداوار کی تقسیم میں سرمائے اور محنت کے حصوں کی تعیین کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ قوم کے لئے اجتماعی حصہ الگ کیا جائے اور پھر اسے ساری قوم کی ترقی اور بہبود کے کام میں لایا جائے۔ اگر یہ حصہ الگ نہیں کیا جاتا اور پیداوار کی ساری دولت صرف سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیم کر دی جاتی ہے، تو یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک ایسی چیز پر بے جا تصرف کا مرتکب ہوتا ہے جس پر اس کا حق نہیں ہے اور قوم کے ضرورت مند اور مستحق طبقے کو اس کے حق سے محروم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اجتماعی بہبود اور ترقی کے اہم ذرائع سے قوم محروم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا۔

یہ ایک حکم ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تمام جمع شدہ دولت، کمائی ہوئی دولت اور پیداوار پر قوم کی طرف سے ایک ٹیکس لگایا جائے جو ایک طرف تو ان لوگوں کے مال کو پاک کرے جن کے ذمے اس ٹیکس کی ادائیگی ہے اور دوسری طرف ساری قوم کی اجتماعی بہبود کا انتظام کرے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو پر زور دیتے ہوئے

اس کی یوں تشریح کی ہے :-

"صدقة تؤخذ من اغنیائهم
وترد الی فقرائهم -

یہ ایسا صدقہ ہے جو دولت مندوں پر لگایا جاتا ہے اور ان سے لیکر غریبوں کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

یہ ایک قانونی ذمہ داری ہے اور اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ لیکن اسلام اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اخلاقی ذمہ داریوں کو اور آگے لے جاتا ہے۔ اسلام نے اخلاقی کردار پر اس قدر زور دیا ہے کہ کسی قانونی ذمہ داری کے مقابلے میں اس کا اثر بہت زیادہ ہے۔ قانونی ذمہ داری مقررشدہ رقم کی ادائیگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، لیکن اخلاقی ذمہ داری ایک مسلسل ذمہ داری ہے اور اس پر مسلسل اور لگاتار عمل کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ یعنی ان کے مال پر سوال کرنے اور اپنی ضروریات کا اظہار کرنے والوں اور بے زبانوں کا حق ہے۔ بے زبانوں میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو اپنی ضرورت کا اظہار نہیں کرتے۔ اور جانور وغیرہ بھی اسی حکم کے تحت آتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

یہاں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، ضرورت مند مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کریں۔ اور اس کے جواز میں مسلمان کو بتایا گیا ہے کہ اس طرح اُسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور یہ اس کی نجات اور فلاح کا باعث ہوگا۔

اس ذمہ داری کو مسلسل پورا کرتے رہنے کی صرف ایک حد مقرر کی گئی ہے، اور وہ یہ کہ کوئی شخص اس بات کی طرف اتنی توجہ نہ دے سکے کی وجہ سے وہ خود محتاج ہو جائے یا پھر جن لوگوں کی مدد کی جاتی ہے وہ کاہل یا سست نہ ہو جائیں اور اس طرح معاشرے پر ایک بوجھ نہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔

زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ اسلام میں اس بات کی طرف بھی متواتر توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان نہ صرف اپنے مال کو مفید کاموں میں لگائے بلکہ وہ ان تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لائے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے ودیعت کی ہیں۔ یہ حکم ایمان بالغیب اور اقامۃ الصلوٰۃ کے حکم کے ساتھ ہی سورۃ بقرہ کے شروع میں دیا گیا ہے۔ یہاں متقیوں کی اللہ نے جو تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے :- اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔ اس سے بھی وہ پہلی بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ایک مربوط شکل دیتا ہے۔ تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان صحیح معنوں میں نیک اور اعمال صالحہ کی زندگی گزارے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ انسان صحیح اصولوں پر ایمان لا کر نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال حاصل کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اللہ تعالیٰ نے جو رزق دیا ہے اسے تمام بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے خرچ کرے چنانچہ ایک مسلمان کو نہ صرف اپنی دولت یا املاک کو مفید کاموں میں لگانے کا حکم ہے بلکہ اسے تمام ان صلاحیتوں کو خواہ وہ ذہنی ہوں یا علمی، جسمانی ہوں یا روحانی جو اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہیں بنی نوع انسان کی بہبود کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔ انفرادی اور قومی ترقی کے لئے یہ ضروری شرط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور مال یا اجناس وغیرہ کو روک لینے کی اسلام نے شدید ترین مذمت کی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے :-

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۔

یہ بالکل واضح اور کھلی ہوئی ہدایت ہے مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے جو تمہیں کہا جاتا ہے تو یہ گویا تم پر احسان ہے کیونکہ ہر قسم کی ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے لیکن پھر بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں۔ پھر جو بخل سے کام لیتے ہیں وہ شاید یہ نہیں سمجھتے کہ اس میں خود ان کا ہی نقصان ہے کیونکہ بخل سے کام لینا اور مال خرچ کرنے سے رُکنا بڑا نقصان رساں اور گھاٹے میں ڈالنے والا ہے۔ مال خرچ کرنا، روپیہ مفید کاموں میں لگانا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں کو استعمال کرنا موجب ترقی اور خیر و برکت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اگر اس کے راستے میں خرچ کرنے کو کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمارا محتاج ہے یا ضرورتمند ہے، نہیں کیونکہ وہ تو خود تمام جہانوں کا رب اور رازق ہے بلکہ ہم خود محتاج ہیں اسکی امداد کے ضرورتمند ہیں۔ وہ تو غنی ہے اسے ہمارے مال یا دُوسری چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو ہمارے فائدے کیلئے چاہتا ہے کہ ہم اس کی راہ میں خرچ کرکے ترقی کریں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۞ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔

اللہ تعالیٰ غرور اور تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ان لوگوں کو جو بخل سے کام لیتے اور خدا کے راستے میں نہ خود خرچ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو خرچ کرنے دیتے ہیں بلکہ انہیں بھی مال روک لینے کو کہتے ہیں اور اپنا مال چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی ناپسند کرتا ہے۔ اگر وہ باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی انہوں نے جاری رکھی تو وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ذلیل کن سزا دی جائے گی۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے جب کبھی اس قسم کی غلطیاں کیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا پر سزا دی اور وسیع پیمانے پر قومی رنگ میں ان پر یہ انذار پُورا ہوا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات بھی اسی صورت میں مفید اور قابلِ قبول ہوں گے اگر ان کا مقصد محض توجہ الی اللہ ہو گا اور وہ فی سبیل اللہ خرچ کئے جائیں گے۔ اور اگر دکھاوے اور نمود کی خاطر زکوٰۃ یا صدقات دیئے جائیں گے اور اگر زکوٰۃ لینے والے یا صدقہ لینے والے پر کسی قسم کا کوئی احسان جتایا جائے گا یا اُسے تنگ کیا جائیگا تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ جیسی نیت ہوگی ویسا پھل ملے گا۔ اس کے برعکس اسلام ذاتی استعمال اور ذاتی آرام و آسائش کے لئے خرچ کرنے پر بھی پابندی لگاتا ہے۔ کھانے پینے، لباس، مکان بنانے اور ساز و سامان اکٹھا کرنے، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں فضول خرچی اور غیر ضروری اخراجات سے منع کرتا ہے۔

سُود پر روپیہ دینے کی ممانعت زیادہ توجہ کی محتاج ہے۔ اسلام میں رِبٰوا کی ممانعت ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ربوٰ کے طریقے سے معاشرے میں تباہی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس زکوٰۃ اور صدقات معاشرے کیلئے مفید اور منفعت بخش ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۞

رِبٰوا پر جس اقتصادی نظام کی بنیاد ہوگی وہ دوسری خرابیوں کے علاوہ جنگ پیدا کرنے کا بھی موجب ہوگا۔

رِبٰوا کی ممانعت پر بڑی سختی سے بحث کی گئی ہے۔ اسلئے اس کے متعلق کئی لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حکم درست نہیں ہے۔ اس کے جواب میں ربٰوا کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں اور دلیلیں پیش کی گئی ہیں تاکہ اس سے کسی طرح بچا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَأَحَلَّ
اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط

پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے:-

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي
أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ
اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تُرِيدُونَ
وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ۔

یہاں بھی ہمیں یہی کہا گیا ہے کہ مفید و منفعت بخش مناقع رِبٰوا کے ذریعہ نہیں بلکہ زکوٰۃ کے ذریعے حاصل ہوگا کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

میں نے رِبٰوا کی بجائے سُود کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ دونوں الفاظ ہم معنی نہیں ہیں، اگرچہ ہر دو میں بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ میں نے ربٰوا کی تشریح و تفصیل بیان کرنے کی بھی کوشش نہیں کی کیونکہ اس کی صحیح تعریف میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور کافی جانچ پڑتال اور تحقیق و تجسس کے بعد اس کے صحیح معنے متعین کئے جا سکتے ہیں۔

میں نے ان امور کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا کافی وقت لے لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں آپ کو کوئی ایسی بات بتانا چاہتا تھا جو آپ نہیں جانتے تھے بلکہ میری غرض اس سے یہ تھی کہ اسلام کے اقتصادی نظام کے اصل بنیادی اصولوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں اور اس بات پر زور دوں کہ اس نظام کے اصولوں کا سائینٹفک طریقے سے جائزہ لیا جائے تاکہ جلد سے جلد کوئی ایسا مربوط نظام قائم ہو سکے جو ہماری تمام ضروریات کے لئے کافی ہو۔

جب تک ہم خود کسی نظام کے اصولوں اور اس کی تفصیلات سے کما حقہٗ آگاہ نہ ہوں اور اس پر یقین نہ رکھتے ہوں، اُس وقت تک ہم محض اس کو کافی سمجھنے اور اس کو برتر کہتے رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تنظیم اپنی دوسری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی اقتصادی نظام کی تحقیق و تفتیش اور جانچ پڑتال کی طرف توجہ دے گی۔

ہم جانتے ہیں کہ دُنیا کے بڑے حصے میں بعض ایسے اقتصادی نظام جڑ پکڑ چکے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی بڑی تبدیلی یا ترمیم کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ مثلاً موجودہ زمانے میں بنک کا کاروبار زیادہ تر سُود پر چلتا ہے اور بعض قسم کے بیموں میں محض اتفاق کا عنصر غالب حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے جُوئے کی ممانعت کی ہے لیکن کئی اس قسم کے بیمے ہیں جن سے جُوئے کا عنصر بڑی آسانی سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ اِن سب باتوں کے لئے ہمیں گہرے مطالعہ، تحقیق و چھان بین اور محنت کی ضرورت ہے لیکن ہمیں اس کی وجہ سے ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ اگر ہمیں یقین ہے کہ یہ راستہ ہمارے لئے مفید ہے تو ہمیں اس راستہ پر چلنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے اور اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم کسی ایسے راستہ پر نہ چلیں جو تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔

اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ عادات و اطوار، رسم و رواج، پُرانے قائم شدہ نظام اور نظریے بدل دینا یا ان میں ترمیم کرنا آسان کام نہیں، لیکن اسلام کے ظہور کا مقصد یہی ہے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمے یہی کام کیا گیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ
يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ
الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں، بُرائیوں سے روکتے ہیں، تمام پاک اور طیب چیزوں کے استعمال اور صحت مند رجحانات اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور ناپاک اور نقصان دہ کاموں سے روکتے ہیں اور رسم و رواج اور معاشرے کی دوسری خرابیوں کے بوجھوں سے نجات دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح استعمال ہی معاشرے کی بہبود کے لئے مفید ہے اور ان نعمتوں کے غلط استعمال سے بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ
شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ
كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔

میں ایک قانون ہے، وعدہ بھی اور تنبیہ بھی۔

آئیے! ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور اپنی پوری کوشش اس میں صرف کر دیں۔ اور ان نعمتوں کے غلط استعمال سے خود بھی بچیں اور بنی نوعِ انسان کو بھی ان نعمتوں کے غلط استعمال سے پیدا ہونے والی تباہی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں ——— ان امور کے گہرے مطالعہ اور ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے کام کی چھان بین کے ذریعے ہم اپنی اقتصادی ترقی کے اس مرحلے پر معاشرے کی بیش بہا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ دوسرے نظام بڑی تیزی سے ناکام اور نقصان رساں ثابت ہوتے جا رہے ہیں...... ایک مفید اور بنی نوعِ انسان کا ہمدرد نظام بہت جلد ان کی جگہ لینے والا ہے۔

یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نظام کا ایک خاکہ تیار کریں۔ تاکہ اس کے مطابق ایک مفید اقتصادی ڈھانچہ تیار کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں میں برکت ڈالے اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ٭

قرآن کریم کے سلیس ترجمہ (البیان) کے متعلق ایک خط

"مکرم و محترم جناب مولانا ابوالعطاء صاحب مدیر "الفرقان"
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مَیں اپنے مؤقر جریدہ "الفرقان" کا ابتدا سے خریدار ہوں اور ہر ماہ اس کیلئے چشم براہ رہتا ہوں۔ اور جب یہ موصول ہوتا ہے تو اول تا آخر اسے نہایت غور و خوض سے پڑھتا ہوں اور بحمد اللہ کہ ہر دفعہ اس سے بہت سے علمی اور روحانی نکات و معارف حاصل کرتا ہوں۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ "الفرقان" علوم قرآنیہ اور معارفِ فرقانیہ کی نہایت اہم خدمت بطرزِ احسن بجا لا رہا ہے اور آپ اسے ہر ماہ مفید سے مفید تر بنانے میں برابر کوشاں رہتے ہیں۔ جزاکم اللہ لهذا فی الدارین خیرًا۔

اس مہینے سے جو آپ نے "البیان" کے عنوان سے قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا ہے یہ ایک نہایت مفید اور مبارک اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسے بہتر سے بہتر رنگ میں پیش کرنے اور پڑھنے والوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونیکی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کو چاہیئے کہ آپ اس ترجمہ کو کسی قدر مفصل و واضح اور بامحاورہ بنائیں...... مَیں چونکہ اردو ادب کا طالب علم ہوں مجھے اردو کی ناقص عبارت خصوصاً آپ ایسے متبحر عالم کی طرف منسوب ہونیوالی ناقص عبارت بہت کھٹکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ترجمہ آپنے نہیں کیا ہو گا بلکہ آپ کے کسی ساتھی نے کسی عام مترجم قرآن کریم کو نقل[1] کر دیا ہے۔ آپنے یہ ایک نہایت اہم عنوان شروع کیا ہے آپ کو چاہیئے کہ اسے ظاہری و باطنی ہر دو لحاظ سے زیادہ عمدہ اور مفید بنانے کی کوشش کریں۔"

(آپ کا مخلص۔ محمد ربیع تبسم ایم۔ اے (فائنل) گورڈن کالج راولپنڈی۔)

---

[1] آپ کا یہ قیاس درست ہے۔ انشاء اللہ آئندہ شمارہ سے باقاعدہ طور پر سلیس ترجمہ مختصر تفسیری نوٹوں کے ساتھ شائع ہو رہیگا انشاء اللہ۔

ابو العطاء

سلسلۂ انبیاء میں "خاتم النبیین" صرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں!

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے رسالہ پر ایک نظر!!

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب لائل پور)

(۳)

سلسلہ انبیاء میں ایک ہی بطل جلیل ہمیں نظر آتا ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے عرش سے خاتم النبیین کے لقب سے پکارا۔ باقی انبیاء بشمول حضرت مسیح ناصری علیہ السلام (بن عظیم الشان پیغمبر کے لئے اس انتظار کی روح کو تازہ کرتے آئے۔ جو سلسلہ نبوت کے ساتھ ہی ظاہر ہوتی۔ گویا یہ کتنا ایک حقیقت کا اظہار ہے کہ ظہور نبوت اور گویا تمام نبوت توام پیدا ہوئے۔ آج دنیا دیکھ سکتی ہے کہ خاتم النبیین کے دعوے کے لئے سید الانبیاء نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی میدان میں موجود نہیں۔ آپ کے مقابلہ پر میدان بالکل خالی نظر آتا ہے۔

رسالہ خاتم النبیین کے مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ خاتم النبیین حضرت مسیح ناصری ہیں نہ کہ رسول عربی صلعم۔ آئیے اس دعویٰ کو ہم اس معیار پر پرکھتے ہیں کہ جسے مدعی قرار دیا جاتا ہے وہ خود کیا کہتا ہے۔

حضرت مسیح ناصری کی وصیت

واقعہ صلیب سے پہلے حضرت مسیح ناصری اپنے آخری دن میں جبکہ بظاہر آپ زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے تھے ایک درد انگیز لیکن امید افزا وصیت کرتے ہیں جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے :۔

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکم مانو۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا تسلی دہندہ (یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ یعنی روح حق ہے[لہ] جسے دنیا پا نہیں سکتی۔ کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ اسے

لہ یسعیاہ ۴۲ باب میں نبی موعود کے متعلق وارد ہوا ہے۔

"دیکھو میرا بندہ جسے میں نے چُنا اور میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے میں اپنی روح اس پر ڈالوں گا اور وہ غیر قوموں سے شرع بیان کرے گا ...... وہ عدالت کو جاری کریگا۔ کہ دائم ہے۔ اس کا زوال نہ ہوگا۔ قومیں اس کی شریعت کا انتظار کریں گی ...... میں خداوند نے تجھ کو صداقت کے لئے بُلایا اور تجھے ہاتھ سے پکڑا اور تیری حفاظت کی اور تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور غیر قوموں کے لئے نور بنایا۔ دیکھو تو۔ اگلی (صحف کی) پیشگوئیاں بر آئیں اور نئی باتیں بیشتر اس کے کہ وہ ظہور میں آئیں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ۔ زمین کے کناروں سے اس کی حمد کرو ...... بیابان (عرب) اور اس کے شہر اور گاؤں جن میں قیدار (بن اسمٰعیل علیہ السلام)

جاتی ہے۔ مگر تم اسے پہچان لوگے۔ کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا اور تم میں ہوگا۔"
یہ کلام جو تم نے سنا میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ تسلی دہندہ یعنی روح حق جسے باپ میرے نام سے[۱] بھیجیگا وہی تمہیں سب باتوں کی تعلیم دے گا اور جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔

جب وہ تسلی دہندہ آئے گا جس کو میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق۔ جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو۔
میں نے یہ باتیں اس لئے تم سے کہیں کہ جب ان کا وقت آئے تو تم کو یاد آ جائے کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا اور میں نے شروع میں تم سے یہ باتیں اس لئے نہ کہیں کہ میں تمہارے ساتھ تھا۔ مگر اب میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں ...... اس لئے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کہیں۔ تمہارا دل غم سے بھر گیا لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تسلی دہندہ تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔
مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹

سکونت کرتا ہے آواز بلند کریں۔ چٹانوں کے بسنے والے گیت گائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کو جلال دیں اور جزیروں میں اس کی حمد ظاہر کریں۔ خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا۔ وہ جنگی آدمی کی مانند اپنی غیرت کو اکسائے گا ...... وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا۔ میرا بندہ .... میرا رسول جسے میں بھیجوں گا ...... وہ جو کامل ہے ..... خداوند شریعت کو بزرگی دیگا اور اسے عزت بخشے گا۔"

یسعیاہ نبی کی اس بشارت کا جہاں لفظ لفظ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے وہاں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی میں بیان فرمودہ بعض نشانات صداقت وہی ہیں جو حضرت مسیح ناصری کی بشارت میں بھی بیان کیے گئے۔ سرچشمہ الہام سے پھوٹنے والے یہ دونوں سوتے یک رنگ ہم آہنگ ہیں اور باوجود الگ الگ ہونے کے آپس میں ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔

[۱] صحف سابقہ کی پیشگوئیوں میں بھی نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا مسیح کہا گیا۔ چنانچہ حبقوق نبی کی بشارت میں وارد ہوا:
"خداوند جنوب سے اور قدوس کوہ فاران سے آئے گا۔ اس کے جلال نے آسمانوں کو چھپایا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اس کی درخشندگی مانند نور ہوگی ..... (خدا تعالیٰ اپنے لوگوں کی نجات کے لئے ہاں اپنے مسیح کے ساتھ نجات کیلئے باہر نکلا۔" (۳ / ۱۳-۴-۳)
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مسیح سے بہت مناسبت ہے اور اس کے وجود سے میرا وجود ملا ہوا ہے (بخاری) اس حدیث میں حضرت مسیح کے اس فقرہ کی تصدیق ہے کہ وہ میرے نام پر آئے گا۔"

"لیکن جب وہ یعنی رُوحِ حق آئے گا تو تم کو
تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ
وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سُنیگا
وہی کہے گا[1]۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا
وہ میرا جلال[2] (یعنی بزرگی) ظاہر کرے گا
اس لئے کہ وہ میری چیزوں (یعنی تعلیمات)
کو لے کر تم پر ظاہر کرے گا[3]۔" (یوحنا ۱۶ باب)

اِس بشارت کا ایک ایک لفظ گواہ ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام خاتم النبیین نہیں ہیں بلکہ آپ نے اُس موعود کے آنے کی خبر دی جو ہمیشہ ساتھ رہے گا یعنی جس کا زمانۂ نبوت ختم نہ ہوگا بلکہ قیامت تک ممتد ہے جس کی تعلیمات سب صداقتوں کی جامع اور ابد تک دُنیا کا ساتھ دیں گی۔ وہ تعلیمات جو کہ بنی اسرائیل کے عدم استحقاق کے باعث ان پر حضرت مسیح ناصری کے ذریعہ ظاہر نہ کی گئیں۔ اس موعود نے ایک اُمت کے استحقاق کی وجہ سے ان پر ظاہر کرنا تھیں[1]۔ نہ صرف یہ بلکہ حضرت مسیح ناصری کی مجھولی بسری تعلیمات کو بھی دُنیا کے سامنے رکھنا تھا۔ چونکہ آنے والا موعود حضرت مسیح ناصری سے افضل تھا اس لئے فرماتے ہیں کہ میرا جانا اور اس کا آنا ہی زیادہ مفید ہے۔

اِن نشانات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ رُوحانی ارتقاء کا آخری نقطہ حضرت مسیح ناصری ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ روحانی منازل کا آخری ارتقائی نقطہ وہ ہے جس نے حضرت مسیح کے بعد آنا ہے اور کامل شریعت، کامل دین اور کامل تعلیمات کو دُنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

یہ پیشگوئی واقعہ صلیب سے کچھ ہی پیشتر حضرت مسیح ناصری نے بیان کی۔ واقعہ صلیب کے بعد جبکہ آپ خدا کے فضل اور اس کی مخفی تدابیر سے اس حادثہ سے بچائے گئے اور دُور دراز کے سفر پر روانہ ہونے کے لئے حواریوں سے رخصت ہونے لگے۔ تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس میں بھی مذکورہ پیشگوئی کی ہی صدائے بازگشت تھی۔ چنانچہ آپ کا آخری الوداعی پیام درج ذیل ہے :-

"تم ان باتوں کے گواہ ہو اور دیکھو
مَیں اپنے باپ کے "اسی موعود" کو تم پر بھیجونگا
لیکن تم جب تک عالمِ بالا کی قوت سے
ملبّس نہ ہو (یعنی روح القدس کا نزول
تم پر نہ ہو) یروشلم ہی میں ٹھہرے رہو!"
(لوقا $\frac{24}{49}$)

کتنی صاف اور واضح پیشگوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح عمر بھر آنیوالے موعود کی منادی کرتے رہے ہیں۔

---

[1] نبی موعود کے متعلق تورات کی پیشگوئی میں بھی یہی وارد ہوا ہے:-

"مَیں اپنا کلام اسکے مُنہ میں ڈالوں گا اور
جو کچھ مَیں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے
کہے گا۔" (استثناء $\frac{18}{18}$)

تورات کی پیشگوئی اور حضرت مسیح ناصری کی بشارت میں ہم آہنگی اور یگانگت دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت مسیح ناصری نے اسی موعود کے آنے کی خبر دی ہے جس کا وعدہ تورات میں موجود ہے۔

[2] پیکس تفسیر بائیبل میں لکھا ہے کہ انجیل یوحنا کے محاورہ میں "جلال" ظاہر کرنے سے مراد کسی چیز کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرنا ہے (صفحہ ۲۶) گویا مراد یہ ہے کہ نبی موعود کے ذریعہ حضرت مسیح کی تعلیمات کی اصل حقیقت دنیا کے سامنے پیش کی جائیگی اور یوں آپ کا جلال اور بزرگی ظاہر ہوگی۔

[3] اس آخری آیت کا ترجمہ عام طور پر غلط کیا جاتا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ترجمہ بائیبل کے "دی واٹیڈ" [illegible]

[1] اس موقعہ پر پیکس تفسیر بائیبل میں لکھا ہے کہ مسیح کی زمینی تعلیمات مکمل نہ تھیں۔ وہ شاگردوں کی موجودہ استعداد باطنی کے مطابق تھیں تا کہ وہ بات سمجھ جائیں۔ روحِ حق نے آکر کامل تعلیم پیش کرنا تھی۔ (صفحہ ۴۹)

اس کے بعد لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصری حواریوں سے جُدا ہوگئے[۱] اور حسبِ ہدایت حواری یروشلم میں لوٹ آئے۔ (لوقا ۲۴/۵۲) کتاب اعمال الرسل سے معلوم ہوتا ہے کہ یروشلم میں آکر کوئی دس دن بعد حواریوں پر جبکہ وہ دُعا میں مشغول تھے۔ وعدہ کے مطابق روح القدس کا نزول ہوا۔ اور اس کے بعد حواری مختلف ممالک میں تبلیغی سفر پر روانہ ہوگئے۔

نصاریٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت مسیح ناصری نے اپنے بعد جس موعود کے آنے کی خبر دی تھی وہ روح القدس ہے جو کہ رفع مسیح کے دس دن بعد "پینٹی کاسٹ" کے دن حواریوں پر نازل ہوا۔ ادنیٰ غور سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس بشارت میں آنے والے موعود کے جو نشانات بتائے گئے ہیں وہ رُوح القدس پر چسپاں نہیں ہوسکتے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ نزول روح القدس کی پیشگوئی آنے موعود کی آمد سے بالکل الگ ہے۔ لوقا کے مندرجہ بالا بیان میں یہ وضاحت موجود ہے کہ میرے بعد خدا تعالیٰ "اس موعود" کو بھیجے گا (جس کی شہادت صحفِ سابقہ میں موجود ہے) نزول روح القدس کا ذکر اس سے بالکل الگ ہے اور ساتھ ہی یہ تاکید ہے کہ جب تک روح القدس سے تم قوت نہ پالو یروشلم میں قیام رکھو۔ روح القدس تو حضرت مسیح ناصری کے زمانہ میں (۱) خود ان پر نازل ہوا (۲) یحییٰ علیہ السلام روح القدس سے معمور ہوئے (۳) حضرت مریمؑ روح القدس سے فیضیاب ہوئیں (۴، ۵) حضرت ذکریاؑ اور ان کی بیوی پر روح القدس اُترا (۶) شمعون نام ایک شخص پر روح القدس کا نزول ہوا (۷) پینٹی کاسٹ کے دن سے پہلے حواری روح القدس سے بہرہ اندوز ہوئے۔[۱]

لیکن آنے والے موعود کے متعلق حضرت مسیح ناصریؑ فرماتے ہیں کہ خدا کے باپ نے ابھی تک اُسے نہیں بھیجا، نہ اُسے دُنیا جانتی ہے۔ البتہ میرے جانے کے بعد وہ اُسے بھیجے گا۔ جب تک میں نہ جاؤں وہ آ نہیں سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ آنے والے موعود سے مراد روح القدس نہیں ہوسکتا۔

اس سلسلہ میں ایک واضح اور روشن دلیل کہ آنیوالے موعود سے مراد روح القدس نہیں یہ ہے کہ نامۂ عبرانیوں میں جس کا زمانۂ تصنیف ۶۰ء عیسوی اور ۷۰ء کے درمیان ہے (پیکس تفسیر بائیبل ۱۰۰۹) یہ لکھا ہے کہ وہ موعود ابھی آنے والا ہے۔ اگر رفع مسیح کے صرف دس دن بعد نزول روح القدس کے ذریعہ حضرت مسیح ناصری کی پیشگوئی پوری ہوچکی تھی تو تقریباً نصف صدی بعد عبرانیوں کے نام خطا میں اس موعود کا انتظار ہمیں نظر نہ آتا۔ نامۂ عبرانیوں کی عبارت درج ذیل ہے:-

> "تمہیں صبر کرنا ضرور ہے تا کہ تم خدا کی مرضی
> پوری کر کے اس (موعود) کو حاصل کرو جس
> کا وعدہ دیا گیا۔ اور اب تھوڑی ہی مدت
> باقی ہے کہ آنے والا آئے گا اور دیر نہ کریگا
> اور میرا راستباز بندہ ایمان سے جیتا رہیگا۔
> اور اگر وہ ہٹے گا تو میرا دل اس سے خوش
> نہ ہوگا۔" (عبرانیوں ۳۶/۱۰ تا ۳۸)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا موعود ابھی ظاہر نہ ہوا تھا۔ اس کا بدستور انتظار ہوتا ہے۔ اگر اس سے مراد روح القدس تھا تو اس کا نزول عیسائی مسلمات کی رو سے

---

[۱] اس موقع پر جو عام تراجم میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ حواریوں سے جدا ہو کر آسمان پر چلے گئے یہ سارا بیان الحاقی ہے چنانچہ بائیبل کے *Revised Standard version* سے یہ آیات متن سے خارج کر دی گئی ہیں۔ گویا حقیقی ذکر صرف اتنا ہے کہ حضرت مسیح ناصری (دارالہجرت کی طرف روانہ ہونے کے لئے) حواریوں سے جدا ہوگئے۔

[۱] (۱) لوقا ۲۲/۳ (۲) لوقا ۱۵/۱ (۳) لوقا ۳۵/۱ (۴، ۵) لوقا ۴۱/۱-۶۷ (۶) لوقا ۲۶/۲ (۷) یوحنا ۲۲/۲۰۔

مسیحؑ کے دس دن بعد ہوگیا تھا۔ پس یہ خیال سراسر باطل ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی پیشگوئی روح القدس کے ذریعہ پوری ہو چکی اور آئندہ کوئی موعود آنے والا نہ تھا۔

یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کی مادری زبان آرامی تھی اور آپ کی انجیل بھی اسی زبان میں پہلے پہل مرتب ہوئی۔ یونانی تراجم کافی دیر بعد ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ کی بعض غلطیاں انجیل کے مختلف نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ انہی غلطیوں کے باعث نصاریٰ کو یہ دھوکا ہوا کہ یہ پیشگوئی روح القدس کے نزول کے ذریعہ پوری ہو چکی۔ بخوفِ طوالت ترجمہ کی ایک غلطی کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا مقصود ہے عام تراجم میں اس پیشگوئی کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل عبارت پائی جاتی ہے:۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو
وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک
تمہارے ساتھ رہے۔ یعنی سچائی کا روح۔
جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ نہ اسے
دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے
ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور
تمہارے اندر ہوگا۔" (یوحنا ۱۴/۱۷)

اس عبارت کے آخری فقرہ سے عیسائی علماء کا استدلال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ روح القدس ہے جو کہ شاگردوں میں بود و باش کرتا تھا اور اسی کی نسبت حواریوں پر مقدر تھی۔ اس سے مراد کوئی ایسا نبی نہیں جو کہ حضرت مسیحؑ کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

(Mohammadan objections to Christianity by Dr. Tisdall)

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ استدلال ترجمہ کی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ بائیبل کے لاطینی ترجمہ میں جس پر کیتھولک بائیبل مبنی ہے ترجمہ کی ایک گونہ صحت کر دی گئی ہے۔ اس میں ترجمہ مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے:۔

"روحِ حق جسے دُنیا پا نہیں سکتی کیونکہ نہ
اُسے دیکھتی ہے اور نہ اُسے جانتی ہے۔
لیکن تم اُسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے
ساتھ رہے گا اور تم میں ہوگا۔"

عام تراجم میں لکھا ہے کہ "روحِ حق تمہارے ساتھ رہتا ہے" لیکن لاطینی ترجمہ میں اصلاح کر دی گئی کہ "روحِ حق تمہارے ساتھ رہے گا۔" لاطینی ترجمہ میں دوسری غلطی کی اصلاح نہیں کی گئی یعنی "تم اسے جانتے ہو" کی بجائے درست ترجمہ یہ ہے کہ "تم اسے جانو گے۔" گویا اس عبارت میں سارے صیغے مستقبل کے ہیں۔ لاطینی ترجمہ میں ایک صیغہ تو درست کر دیا گیا اور ایک ویسے ہی رہنے دیا گیا۔

پروفیسر چارلس کٹلر ٹوری نے حضرت مسیح ناصری کی مادری زبان آرامی کو مدنظر رکھتے ہوئے اناجیل اربعہ کا جو ترجمہ کیا ہے اس میں اس موقع پر مندرجہ ذیل ترجمہ دیا گیا ہے:۔

"تم روحِ حق کو جان لو گے اس لئے کہ
وہ تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہارے اندر
ہوگا۔" (یوحنا ۱۴/۱۷)

اس آیت پر پروفیسر کٹلر ٹوری نے مندرجہ ذیل نوٹ بھی کتاب کے آخر میں دیا ہے:۔

"The Aram Participles Should have been rendered by the future tense, rather than in the Convention alway, by the present."
(The Four Gospels P.326)

کہ یہاں آرامی زبان کے جو صیغے استعمال ہوئے
ہیں ان کے معنے مستقبل کے ہونا چاہئیں۔
عام مروجہ تراجم میں جو حال کے صیغے دیئے
گئے ہیں وہ درست نہیں ہیں"

اِس وضاحت کے بعد نصاریٰ کا یہ استدلال خود بخود غلط ہو جاتا ہے کہ پیشگوئی میں آنے والے موعود سے مراد روح القدس ہے[1] جسے حواری جانتے تھے اور جو ان کے درمیان بود و باش رکھتا تھا۔ اور جس نے حضرت مسیحؑ کے بعد ان پر نازل ہونا تھا۔ ترمیم شدہ ترجمہ کی رُو سے صحیح استدلال یہ ہے کہ جب یہ پیشگوئی پوری ہو گی تو اہل کتاب اس موعود کو پہچان لیں گے کیونکہ وہ موعود کوئی غیر نہیں ہو گا بلکہ صحفِ سابقہ کی رو سے ایک جانی پہچانی شخصیت ہو گی۔ وہ موعود اہل کتاب میں بود و باش رکھتا ہو گا۔ اور جو لوگ اسے قبول کر لیں گے ان کے رگ و ریشہ میں اس کی تعلیمات یوں سرایت کر جائیں گی کہ یہ کہنا روا ہو گا کہ وہ موعود اُن کے اندر بس رہا ہے۔

پولوس رسول کا نقطۂ نظر

پولوس رسول نے نامہ کرنتھیوں میں ارتقائے نبوت کا مضمون بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ مسیحیت کی تعلیم کامل تعلیم نہیں ہے۔ کامل تعلیم بعد میں آئیگی۔ اسوقت اُمت بچپن کے دَور سے گذر رہی ہے اس لئے وہی باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئیں جو کہ لوگوں کی روحانی استعداد کے مطابق تھیں۔ لیکن جب دُنیا جوانی کو پہنچے گی تو ان کو کامل تعلیم سے نوازا جائے گا اور ناقص تعلیم موقوف ہو جائے گی۔ چنانچہ فرمایا:-

"ہمارا علم ناقص ہے اور ہماری نبوت
ناتمام لیکن جب کامل آئے گا تو ناقص جاتا
رہے گا۔ جب میں بچہ تھا تو بچوں کی طرح بولتا
تھا۔ بچوں کی سی طبیعت تھی۔ بچوں کی سی سمجھ
تھی لیکن جب جوان ہوا تو بچپن کی باتیں
ترک کر دیں۔ اب ہم کو آئینہ میں دھندلا سا
دکھائی دیتا ہے لیکن جب کامل آئیگا تو
اس وقت یوں دیکھیں گے گویا دو برو دیکھتے
ہیں" (کرنتھیوں ۱۳ : ۹ تا ۱۲)

پولوس رسول کے اس بیان کا مقابلہ حضرت مسیح ناصری کی بشارت سے کیجئے۔ حضرت مسیح ناصری فرماتے ہیں کہ میری تعلیمات کامل نہیں ہیں۔ نبی موعود کامل صداقتوں کی طرف تمہاری رہنمائی کریگا۔ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہیگا یعنی اس کی نبوت کا زمانہ ختم نہ ہو گا اسلئے کہ وہ خاتم النبیین ہے۔ پولوس رسول بھی اسی مضمون کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ہماری تعلیمات چونکہ ناقص ہیں، ہم پوری جوانی کو نہیں پہنچے اسلئے کامل تعلیم پانے کی استعداد ہم میں نہیں لیکن جب کامل آئیگا تو ناقص جاتا رہیگا اور کامل صداقتیں دنیا پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ پولوس رسول کا یہ بیان مسیحی بھائیوں کیلئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مسیحیت رُوحانی ارتقاء کا آخری نقطہ نہیں بلکہ بچپن کے دَور میں سے گذر رہی ہے۔ روحانی ارتقاء کا آخری نقطہ وہ انسانِ کامل ہے جو کہ بعد میں آیا اور کامل تعلیمات لایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

---

[1] حضرت مسیح ناصری کی بشارت میں آنے والے روحِ حق کے لئے یونانی ترجمہ میں "نیوما" کا لفظ چار مرتبہ استعمال کیا گیا جس کے معنے روحِ حق کے ہیں جبکہ انجیل یوحنا میں روح القدس کیلئے لفظ "لوگاس" استعمال ہوا۔ اس فرق سے ظاہر ہے کہ روحِ حق سے مراد روح القدس نہیں۔ نیز روحِ حق کی طرف مذکر کے صیغے استعمال کئے گئے اور اس کے لئے اسم ضمیر لائی گئی جس سے اس کا ایک شخص ہونا ظاہر ہے۔

تحقیق اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(۱۴)

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

اِن مضامین کے جملہ حقوق بحق رسالہ الفرقان محفوظ ہیں!

قاعدہ رفعِ نقاب

"والبعض تقنّع وجهه ببرقع و تنكّر شخصه بجلباب، والبعض الآخر صبغ الأطمار ودلّس، وارتدى كالقسّ تطلّس۔ اور بعض الفاظ نے چادر کے ساتھ اپنا منہ لپیٹ لیا۔ اور اپنی ہیئت کو مانگے کے لبادے سے بدل لیا۔ اور بعض نے اپنے کپڑے رنگین کر ڈالے۔ اور تدلیس کی۔ اور ظاہر کیا کہ گویا اس نے طیلسان پہنا" (منن الرحمٰن صفحہ ۹)

حضور کی اِن عبارات سے ظاہر ہے کہ بعض الفاظ ایک ایسے تغیر کا شکار ہوئے کہ گویا ان کے چہروں پر پردہ ڈال دیا گیا جس سے اُن کے عربی خدوخال نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اور نیز بعض الفاظ نے مصنوعی پُر تکلف لباس پہن کر بھیس بدل لیا۔ اور اس لئے وہ اجنبی اور غیر ملکی بن گئے اور ان کی پہچان محال ہو گئی۔

عبارت مذکورہ میں علم اللسان کا ایک نہایت اہم نکتہ اور عجیب و غریب اصول مضمر ہے جس کو ہم نے قاعدہ رفعِ نقاب کے نام سے موسوم کیا ہے اور جو علم اللسان کی اصطلاح میں PROSTHESIS کہلاتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ کسی لفظ کے شروع میں کوئی حرف خصوصاً ایک یا دو کانسوننٹ زائد پیوست کرنا۔ ایسا زائد حرف گویا ایک نقاب ہے جس سے اصل لفظ کا چہرہ چھپ جاتا ہے۔ اور جب ہم اس زائد حرف یا نقاب کو ہٹا دیں گے تو اصل لفظ رونما ہو جائے گا۔

PROSTHESIS کے معنی علم اللسان میں تو لفظ کے شروع میں کسی حرف کا اضافہ کرنا ہے لیکن فنِ جراحی میں اس اصطلاح سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی مصنوعی عضو جسم انسانی میں لگایا جائے۔ مثلاً مصنوعی دانت یا آنکھ یا پائے چوبیں وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ مصنوعی عضو کی ضرورت اُسوقت پیش

آتی ہے جب اصل عضو کمزور، مجروح، معطّل یا زائل ہو جائے۔ اور الفاظ پر بھی یہ مصیبت اور آفت پڑتی ہے کہ ان کا کوئی عضو یعنی حرف گر جاتا ہے جس کے بدل میں شروع لفظ میں ایک یا دو حروف اضافہ کرنے پڑتے ہیں اور اس کی وجوہات حسب ذیل ہو سکتی ہیں:۔

(الف) لفظ چھوٹا ہے اور لہجہ اُسے دراز کرنا چاہتا ہے یا لفظ چھوٹا ہے اور اس کے ساتھ پریفکس یا سفکس لگانے کے لئے اس کے حجم میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً (لُجّ۔ سمندر) لاطینی لاحقہ US لگنے سے lagus ہو جائے گا۔ مگر دو سلیبل بنانے کے لئے اور لفظ کو بلند آہنگ کرنے کے لئے P کا اضافہ کر کے اسے PLEAGUS بنا لیا گیا جس سے اصل لفظ لُجّ روپوش ہو گیا۔

(ب) جن عربی الفاظ کا پہلا حرف (ع۔ ل۔ ہ۔ ح۔ و۔ ی۔ ا) یعنی حروفِ تحییر میں سے کوئی حرف ہوگا اخذ و سماعت میں ان کے متعلق زیادہ دقت پیدا ہوگی کیونکہ یہ حروف بہت سُبک ہیں اور ہوا والوں سے ملتے جُلتے ہیں۔ اس لئے ان حروف کو قدرے ثقیل اور گراں سنج کرنے سے اخذ و سماعت میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حروفِ تحییر بالعموم گر جایا کرتے ہیں۔ اِن دونو وجوہ سے ایسے الفاظ کے شروع میں کسی کانسونینٹ کا اضافہ کرنا یعنی لفظ کو بلند آہنگ بنانا بولنے اور سُننے میں سہولت کا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً حلک۔ سیاہ ہونا (جس کا مقلوب "کالا" ہے) اس کے شروع میں B کے اضافے نے اس لفظ کو BLACK بنا دیا جس سے بولنے اور سُننے میں آسانی ہو گئی۔ اسی طرح حبّی۔ چھوٹا بچہ) B کے اضافہ کے ساتھ BABY بن گیا۔ اور ظاہر ہے کہ حائے حُطّی اور ہائے ہوّز اِن دونو الفاظ میں B کے اندر جذب اور مدغم ہو گئی ہے۔ پس کسی لفظ کے شروع میں حرفِ تحییر کا ہونا حرفِ نقاب کے پیوست ہونیکا موجب ہو سکتا ہے تاکہ سبک حرف ثقیل ہو کر سماعت میں آسانی پیدا کرے۔

(ج) امتیازِ ہجا کے لئے بھی حرفِ نقاب لگایا جاتا ہے۔ مثلاً HOLE اور WHOLE اور RITE اور WRITE میں W حرفِ نقاب ہجا میں امتیاز پیدا کرتا ہے (بکنا۔ رونا) ہندی میں B کے اضافے کے ساتھ "بِبکنا" ہے۔ تاکہ "بکنا" سے ممیز ہو سکے۔ پس کئی وجوہات سے حرفِ نقاب کا وارد ہونا اہلِ لسان کے مسلّمات سے ہے۔

حرفِ نقاب سے ہماری مراد وہ زائد کانسونینٹ ہے جو کسی لفظ کے شروع میں اضافہ کیا جائے۔ بعض الفاظ میں ایک سے زیادہ حروفِ نقاب بھی لگائے گئے ہیں اور یہ ارتقائے زبان کے سلسلہ میں ہُوا ہے اور ایک مسلّمہ امر ہے جب ایک بھاری اور ایک ہلکی چیز کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو ہلکی چیز لازماً گر جاتی ہے۔ حرفِ نقاب چونکہ صوتی اعتبار سے بہ نسبت حروفِ تحییر کے گراں سنج ہے لہذا حروفِ تحییر کو لازماً گرا دیتا ہے یا مدغم کر لیتا ہے۔ پس عملی رنگ میں فارمولا دفعِ نقاب بہ طریق ذیل عائد ہوگا۔

اوّل۔ پہلا حرف علیحدہ کر دو۔ اگر تین کانسونینٹ باقی رہیں تو ان پر اعراب لگا دو۔ یعنی فارمولا دفعِ لین کا عمل کرو۔ مثلاً:۔

(BLEMISH۔ داغ۔ LMS = (B) لَمَظ۔ داغ)

(SCRAPE۔ چھیلنا = CRP (S) قَرَفَ۔ چھیلنا)

دوم۔ اگر پہلا حرف گرا کر دو کانسونینٹ باقی رہیں تو ایک حرفِ تحییر گرا ہوا ہے۔ اس کو بحال کرو۔ مثلاً:۔

BLAZE۔ بھڑکنا = LZ (B) لظی۔ بھڑکنا یا

(E)LK = BLACK حلک ۔ سیاہ ہونا ۔ تکسیر صغیر کا عمل ہوا۔

سوم ۔ اگر پہلا حرف گر کر صرف ایک کانسوننٹ باقی ہے تو دو حروفِ تکسیر یقیناً گمے ہوئے ہیں ۔ ان کو بحال کرو یعنی تکسیر کبیر کو عمل میں لاؤ مثلاً ۔

PAN ۔ برتن = N (P) انا ۔ برتن

مختصر یہ کہ حرفِ نقاب ایک مصنوعی اضافہ ہے جسکے ٹکراؤ اور دھکے یا پیوستگی سے حروفِ تکسیر گر جاتے ہیں ۔ اور ہمارے بنیادی فارمولوں رفعِ لین اور رفعِ تکسیر کا عمل حرفِ نقاب کو علیحدہ کرنے کے بعد عربی ماخذ کو فوراً بحال کر دیتا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ اس عمل میں ہم اصول اور قانون کی پابندی سے سرمو انحراف نہیں کرتے ہیں بلکہ سائنٹفک طریق پر تبدیل شدہ لفظ کی ہیئت کو بحال کرتے ہیں ؎

نکتہ ہا رفت و شکایت کس ندید
جانبِ حرمت فرو نگذاشتیم

یہ لفعِ وجہہ بردارِ ونکتہ شخصیہ لحیاتِ فارمولا رفعِ نقاب یعنی اصول PROSTHESIS کی بہترین قلمی تصویر اور ابلغ بیانِ حقیقت ہے ۔

تقریباً ہر زبان میں حرفِ نقاب کا وجود پایا جاتا ہے ۔ انگریزی کے مندرجہ ذیل الفاظ میں پہلا حرف مسلمہ طور پر زائد یا غیر ملفوظی ہے ۔

- DAFFODIL - BOMB - BLOOD
- SPLASH - RAREBIT - PRAM - HRAD
- SLACK - SCRAWL - SCRATCH
- TSAR - THWACK - SPHA
- ZWINK - VESPER - IMAT
- PSALM - KNUCKLE - KNACK

U-WRITHE-PSYCHOLOGY لاطینی میں BIO اور BURA کی B بالتسلیم حرفِ نقاب یعنی زائد ہے سنسکرت میں SASK اور SHRI کا S بالتسلیم زائد ہے ۔ فارسی میں درخشیدن بجائے رخشیدن نا استعمال کا حال ہے ۔ گویا وجوہات مندرجہ صدر کے لحاظ سے ان الفاظ میں پہلا حرف مسلمہ طور پر زائد پیوست کیا گیا ہے ۔

کوئی سا کانسوننٹ حرفِ نقاب ہو سکتا ہے واول بھی حرفِ نقاب ہوتا ہے ۔ مثلاً A زائد ہوتا ہے ۔ لیکن چونکہ ہم واول اور حروفِ علت کو عموماً گرا دیتے ہیں اسلئے ہماری اصطلاح میں حرفِ نقاب سے مراد کانسوننٹ یعنی حرفِ صحیح ہی رہ جاتا ہے ۔

حرفِ نقاب چونکہ تقریباً سبھی زبانوں میں پایا جاتا ہے اسلئے یہ ایک قدرتی اضافہ یا مصنوعی تصرف ہے جو الفاظ میں واقع ہوتا ہے ۔ یا اہلِ لسان الفاظ کو صیقل کرنے یا التباس سے بچانے یا لفظ کو لمبا کرنے یا ثقیل بنانے کے لئے عمل میں لاتے ہیں اور اس کا نام PROSTHESIS رکھتے ہیں ۔

قسم اوّل ۔ لفعِ وجہہ بردارِ

سنسکرت

۱ ۔ PRABHU ۔ مالک = RB (P) ربّ ۔ مالک ۔
۲ ۔ PRUSH ۔ چھڑکنا = RSH (P) رشّ ۔ چھڑکنا
۳ ۔ KAKUBH ۔ چوٹی = KB (K) قبّ ۔ سر ۔ چوٹی ۔

ظاہر ہے کہ پہلا حرف ہٹانے کے بعد عربی ماخذ اصول رفعِ لین کے ماتحت بحال ہوا لیکن تکسیر صغیر کا زیادہ اطلاق ہوتا ہے ۔ مثلاً :-

۴ ۔ PARUSHA ۔ کھردرا = RSH (P) حرش کھردرا ہونا ۔
۵ ۔ PRATH ۔ زمین = RTH (P) ارض = EARTH

۶- PANG - باندھنا = (P) NG حَنَك - باندھنا

۷- PLUSH - جلانا - داغنا = (P) LS لَذَع - جلانا

داغنا یا تکبیر کبیر کا عمل کرتا ہوتا ہے

مثلاً :-

۸- PIBA - پینا = (P) B عَبّ - پینا

۹- PUT - لپٹنا = (P) T طُوِی - لپیٹا جانا

۱۰- PUTA - ت - گچھا = (P) T طَيّه - پیٹ مٹھا

۱۱- PUG - عزت کرنا - (P) G = Z - عَزّ - عزت کرنا $\frac{G}{Z}$

۱۲- PATHA - راستہ = (P) T اَتُو - راستہ

ظاہر ہے کہ حرفِ نقاب نے الفاظ ۸ تا ۱۲ میں حروفِ تکبیر گویا ٹکر مار کر گرا دیا ہے اور اصول رفع تکبیر کبیر کے ماتحت وہ گرے ہوئے حروف عین اصول کے مطابق بحال ہوگئے ہیں۔ سنسکرت کا لفظ PATHA انگریزی میں PATH ہے۔ سنسکرت کا لفظ PIBA (پینا) لاطینی مصدر BIB-ERE ہے۔ ایسے دونو لفظ انگریزی، لاطینی اور سنسکرت کے اشتراک پر دال ہیں۔ لیکن اگر علماء اپنے مسلّمہ اصول ——— PROSTHESIS کو عمل میں لاتے تو عربی ماخذ اَتُو اور عَبّ نکل آتا۔ جو فارسی میں آب ہے اور ہندی لفظ پیتا = B = P = عَبّ ہے۔ گویا پینا میں ع گر گیا ہے۔ اور یہی لفظ پیا۔ پانی کا روٹ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں سنسکرت میں دو قرأتیں اور اسی لفظ کی ہیں۔ M-AMBU اور APA - حرفِ غنّہ ہے بس آب - PIBA-AMBU-APA، BIB-ERE - پینا۔ پانی فی الاصل ایک لفظ عَبّ کی مختلف اشکال ہیں ؎

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

عَبّ۔ قطب از جائے جنبد او مستقل ہے - باقی

الفاظ مذکور قطبین کی طرح اسکا طواف کر رہے ہیں۔ اور مغشوش ہیں۔

اگر آپ چاہیں تو الفاظِ نقابی کا حل بطریق ذیل بھی کر سکتے ہیں :-

۱۳- PAKSH - پہلو = P - کَشح - پہلو (پنجابی کچھ کچھڑ) کیونکہ کشح جسم کا وہ حصہ ہے جو ناف اور وسط کمر کے درمیان ہے

۱۴- PISH - پینا = P - هَصّ - باریک کرنا - توڑنا

گویا عربی لفظ پر P کو زائد کر کے سنسکرت کے لہجے پر لے آؤ تو بات صاف ہو جائے گی اور تلفظ بھی حاصل ہو جائے گا۔

۱۵- BHARAS - گرنا = (B) RS رَذِع - گرانا

۱۶- BHARAGG - جھلسنا = (B) HRG حَرَق - جھلسنا۔

۱۷- BHAM - ناراض = (B) HM ہَمّی - ناراض ہونا

۱۸- BHID - توڑنا = (B) HD هَدّ - توڑنا

۱۹- BHUG - کھانا = (B) HG هَجَا - کھانا

۲۰- BHUR - کانپنا مضطرب ہونا = (B) HR هَرَع غصے سے کانپنا - جلدی جانا۔ هَرَع، اضطراب کی چال - یہی لفظ انگریزی میں HURRY اور HRR-OR کا روٹ بلا حرفِ نقاب ہے۔

۲۱- BHRESH - کانپنا = (B) RSH رعش کانپنا

۲۲- BANDA - باندھنا = (B) ND عَقَط - بندھنا۔ $\frac{D}{T}$ (BIND)

۲۳- BANDU - رشتہ دار = (B) ND نطّ - باندھنا یعنی ناطی اور رشتہ دار - U = واو ناطی یعنی بندھا ہوا۔

۲۴- BHAGA - حصہ = (B) HG حَظّ - حصہ $\frac{G}{Z}$

۲۵- KAKRA - پہیہ = KR (K) کُرّۃ۔ ہر گول چیز۔
(ہندی چکر)

۲۶- KAKUN - خلا = KN (K) خنّ۔ خالی کرنا

۲۷- KARKA - سفید = RK (K) رھق۔ سفید ہونا

۲۸- KUNG - چیخنا = NG (K) نقّع۔ چیخنا

۲۹- KANG-A - فہیم = NG (K) ناقہ۔ فہیم

۳۰- KANK-U - ہوشیار = NK (K) نوقہ۔ ہوشیاری
(U = واؤ فاعلی) مثلاً (کھانا سے کھاؤ۔ پیٹ سے پیٹو)

۳۱- KAKSHA - چھپنے کی جگہ = KSH (K) غشی
ڈھانکنا۔ چھپانا

۳۲- KAKAS - چمکنا = KS (K) غاث۔ روشن ہونا

۳۳- KARISHA - گوبر = RS (K) روث۔ گوبر

۳۴- KSHANA - لمحہ = SN (K) ثانیہ۔ لمحہ

۳۵- KSHAD - ذبح کرنا = SD (K) سَدَع۔ ذبح کرنا
انگریزی الفاظ HOMI-CIDE اور SUI-CIDE وغیرہ میں CIDE = سدع بلانقاب ہے۔

۳۶- KSHAM - معاف کرنا = SM (K) سامَحَ
معاف کرنا۔

۳۷- KSHODA - توڑنا۔ ٹکڑا = SD (K) صَدَعَ
پھاڑنا۔ صدع۔ ٹکڑا

۳۸- KSHNU - تیز کرنا = SN (K) سَنّ تیز کرنا
(چھری)

ف — الفاظ ۳۳ تا ۳۸ میں ہم نے شین کو سین کیا ہے۔ عجمی لہجے سین اور شین میں اکثر تمیز نہیں کرتے۔ شین کی بجائے سین بولنا سنسکرت کی اصطلاح میں SAKARI کہلاتا ہے اس کے برعکس سین کو شین بولنا SHATVA کہلاتا ہے۔

۳۹- GHABAS-Ti - بازو۔ چمک = BS (G)
اُبض۔ بازو۔ بَصّ۔ چمکنا۔ گویا یہ لفظ اُبض اور بصّ کا مخلوط ہے۔ عربی نے اس بے جوڑ بات کو حل کیا۔ سنسکرت ایسا نہیں کر سکتی بلکہ سہ کجا مے نمائی کجا خفی کی مصداق ہے۔

۴۰- SKAD - کودنا۔ پھٹنا۔ گرنا = KD (S) = KZ
قَزّ۔ کودنا۔ قَضّ۔ پھٹنا۔ گرانا

ف۱- ظاہر ہے کہ کودنا اور گرنا بالکل متضاد ہیں۔ عربی نے ان دونوں کو واضح کیا۔ سنسکرت کیلئے ان دونوں مفہومات میں تطبیق کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ کیونکہ سنسکرت کے پاس دونوں لفظ نہیں ہیں۔

ف۲- اصول رفع اختلاط کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب مختلف الاصل لیکن ہم شکل اور ہم صوت الفاظ کا حل اصول رفع اختلاط کے ماتحت ہوتا ہے تو تحقیق کرنے والے کو اطمینان ہوتا ہے کہ وہ صحیح ماخذ پر پہنچ چکا ہے۔ جیسا کہ (اُبض۔ بصّ) اور (قزّ۔ قضّ) ہمارے ماخذ کی صحت پر شاہد عادل ہیں۔

ف۳- سنسکرت میں ز کا ابدال D میں بکثرت ہوتا ہے۔ ہندی لفظ کودنا = KD = KZ = قزّ ہے۔ گویا ہندی لفظ بے نقاب ہے۔

۴۱- GARG - گرجنا = RG (G) رَغا۔ گرجنا۔
(فارسی میں مقلوب ہو کر یہ لفظ غریدن بلا حرف نقاب ہے۔)

۴۲- GARD - گرجنا = RD (G) رَعَد۔ گرجنا

۴۳- GAKSH - پشکنا = (G) KSH کشیءٌ - حد سے زیادہ کھانا۔

۴۴- TAKSH - چھیلنا = (T) KSH کشأ - چھیلنا
۴۵- TARG - دھمکانا = (T) RG رَغا - دھمکانا
۴۶- TRAS - کانپنا = (T) RS رَعش - کانپنا

۴۷- MAKSH-U - چست = (M) KSH کاشٌ
چست ہونا (U = واو فاعلی۔)
چستی کرنے والا۔
۴۸- MANK - صاف کرنا = (M) NK نَقّی - صاف کرنا
۴۹- MARDA - پیسنا = (M) RD رَضّ - دلنا - کوٹنا
۵۰- MRIG - دھونا = (M) RG = RZ رحض - دھونا
۵۱- MARG-ana - دھوبی " " "
۵۲- MARK-IN - چمکدار = (M) RK راق - چمکنا
۵۳- MRED - دہرانا = (M) RD رَدّ - دہرانا
۵۴- MYAKSH - گاڑنا = (M) KS عَکز - گاڑنا

۵۵- SPASH-ta - ظاہر = (S) PS فَصَح
ظاہر ہونا (TA حالیہ)
۵۶- SLISH-ta - چپٹا ہوا = (S) LS لَزَ - پیوستہ ہونا
۵۷- SLESHA - پیوستگی = " " "
۵۸- SRAV-A - خدمتگار = (S) RV رَقّ خدمت
کرنا - (A وصفی ہے) انگریزی میں یہی
لفظ S - رقّ = SERF ہے اور
SERVE ہے۔
۵۹- BHOGA - مڑنا = (B) G عاج - مڑنا۔
انگریزی میں یہ لفظ DODGE ہے
D تقابلی ہے۔

۶۰- BHUG - ٹیڑھا کرنا = (B) G عجا - ٹیڑھا کرنا
اوپر کے ساٹھ الفاظ خالص سنسکرت کے ہیں۔
لیکن سب میں کوشش یہ کی گئی ہے۔ جیسے سنسکرت
اُمّ الالسنہ اور عربی زبان مشتق ہو گئی کیونکہ یعنی
چیز پہلے ہوتی ہے۔ عربی ماخذ خالص بلا نیاوت ہیں۔

لاطینی

۶۱- DULC-IS - میٹھا = (D) LC [illegible] - میٹھا ہونا
۶۲- FLAG - اصرار سے مانگنا = (F) LG لجّ - اصرار کرنا
۶۳- FLAG - جلنا = (F) LG الحج - آگ جلانا
۶۴- FRAC-TUS - کمزور = (F) RC رَکّ - کمزور ہونا
۶۵- FIDO - وفا = (F) D عہد - وفا = (FAITH)
۶۶- FIRM - مضبوط = (F) RM عرم - مضبوط ہونا
۶۷- FRENO - باگ = (F) RN عران - نکیل انگریزی
میں یہی لفظ REIN بلا تغیر ہے)
۶۸- FERIO - کوٹنا = (F) R هَرَیَ - کوٹنا
۶۹- ASTRU - تعمیر کرنا = (S) TR طَرَح - اونچی
بنانا (عمارت)
۷۰- EVINCI - باندھنا = (V) NC حنک - باندھنا
(CON-NEC-T)
۷۱- STILLO - گرانا = (S) TL تَلّ - گرانا
۷۲- LATRO - چلانا = (L) TR تعر - چلانا
۷۳- LIBERE - پیدا کرنا = (L) BR برأ - پیدا کرنا
(BEAR) (آفریدن)
۷۴- LIBRA - وزن کرنا = (L) BR عَبَرَ - وزن کرنا
۷۵- PALMA - کھجور = (P) M عَمّ - لمبی کھجوریں -
۷۶- PALP - ڈھکنا = (P) LP لَفّ - ڈھکنا
۷۷- PELLO - دھکیلنا = (P) L آلّ - دھکیلنا
۷۸- FLEO - رونا = (F) L آلّ - رونا

۷۹- BULLA - زیور = L (B) حُلی - زیور

۸۰- STAURO - دہرانا = TR (S) آتار - دہرانا

۸۱- BIO - زندہ ہونا - رُوٹ اس کا EAU ہے = حَیِیَ - زندہ ہونا -

۸۲- BURO - آگ جلانا - رُوٹ اس کا URO ہے = اَرّی - آگ جلانا - گویا ان دو لفظوں میں B بالتسلیم زائد ہے -

انگریزی

۸۳- SCRATCH - خراشنا = CRCH (S) خَرَش - خراشنا (خراشیدن - کھرچنا)

۸۴- SPACE - جگہ = PC (S) فُسحہ کھلی جگہ

۸۵- SWALLOW - نگلنا = WL (S) بلع نگلنا B

۸۶- STAR - ستارہ = TR (S) طَرّ - چمکنا (ستارہ)

۸۷- SCRAPE - چھیلنا = CRP (S) قَرَف - چھیلنا

۸۸- SNATCH - چھیننا = NCH (S) نَشَع - چھیننا

۸۹- SCORPION - بچھو = CRPN (S) عُقربان نر بچھو -

۹۰- PIGMY - چھوٹا = GMY (P) قمی - چھوٹا حقیر -

۹۱- PLEASE - خوشگوار ہونا = LS (P) لَذَّ خوشگوار ہونا -

۹۲- PALATE - تالو = LT (P) لَطع - تالو (تالو اسی کا مقلوب ہے)

۹۳- PROP - بلند کرنا = RP (P) رَفَع - بلند کرنا

۹۴- BLOT - داغ = LT (B) لُطخہ - داغ

۹۵- BELT - پیٹی - گھیرا = LT (B) غُلطہ - ہالہ

۹۶- BARE - ننگا = R (B) عار - ننگا

۹۷- PAN - برتن = N (P) انا - برتن

۹۸- PEN - باڑہ = N (P) حظیرہ - باڑہ

۹۹- PEON - نوکر = N (P) عَون - خادم

۱۰۰- BOON - عطیہ = N (B) ھنی - تحفہ عطیہ

مندرجہ بالا ایک سو الفاظ میں لفع وجہۂ جردا پڑ گئے مطابق الفاظ رُوپوش تھے اور جب حرفِ زائد ہٹایا گیا تو عربی ماخذ صاف نکل آیا - کما لا یخفٰی علی المتدبرین -

قسمِ دوم - نکّر شخصہ لحیاء

نقابِ مقلوبیّت

بعض دفعہ حرفِ نقاب کا پیوست ہونا یہی دقت پیدا کرتا ہے اور اصل لفظ اس ٹکراؤ سے مقلوب ہو جاتا ہے اور حروف آگے پیچھے ہو جاتے ہیں ایسی حالت میں پہلے حرف کو ہٹا دو اور باقی حروف کی ترتیب کو بدل دو یعنی مقدم کو مؤخر کرو "نکّر شخصہ لحیاء" میں یہی راز مضمر ہے - کیونکہ حیادار کی منہ پھیر لینے کو چاہتی ہے -

ایسے الفاظ کا نام ہم نے نقابِ مقلوب رکھا ہے یعنی حرفِ نقاب کے لگنے سے اصل لفظ مقلوب ہو گیا ہے - گویا لفظ نے چہرے پہ نقاب بھی ڈالا اور پھر حیا کے مارے منہ کو بھی پھیر لیا - جس سے اس کی تشخیص مشکل ہو گئی - پس ہم اس کے چہرے سے نقاب ہٹا کر اس کے منہ کو سیدھا کریں گے تاکہ پہچان میں آ سکے - مثلاً

لاطینی

۱۰۱- SOMN-US - نیند = NM (S) نام - سونا

۱۰۲- SIMULO - ملتا جلتا = LM (S) لاءم - ملائمت کرنا

BLAME- ملامت کرنا = (B)LM لأم- ملامت کرنا

فتدبر!

انگریزی

۱۰۳- FEEBLE- کمزور = (F)LB لَبَج- کمزور اور ڈھیلا ہونا-

۱۰۴- PURSE- بٹوا = (P)SR صَرّة- بٹوا

۱۰۵- SING- گانا = (S)GN غنا- گانا

۱۰۶- WING- بازو = (W)GN جناح- بازو

۱۰۷- WINK- اشارہ کرنا = (W)KN کنا اشارہ کرنا-

۱۰۸- STING- ڈنگ = (S)NTG نسدغ ڈسنا $\frac{I}{D}$ -

ہندی لفظ "ڈنگ" ندغ کا مقلوب ہے اور بلا نقاب ہے-

۱۰۹- FROG- مینڈک = (F)GR قرة- مینڈک

مندرجہ بالا الفاظ میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اگر W + کنا کو WIKN کہا جائے یا S + ندغ کو SINTG کہا جائے تو لہجے کے اندر دقت اور تعقید پیدا ہوتی ہے اس لئے اصل ترتیب ہر حروف کو ادا کرنے کی بجائے لہجے نے سہولت کی خاطر ترتیب حروف کو خود بخود بدل دیا ہے-

قسم سوم- صیغ الاطار و دلس

نقاب صوتی

فارمولا رقع زوائد کے ماتحت ہم دکھا چکے ہیں کہ بعض الفاظ میں آخری حرف حرف زائد ہوتا ہے جسے ہم نے "حرفِ صوت" سے موسوم کیا تھا- مثلاً CLOD- ڈھیلا = CL(D) قُلاعہ ڈھیلا- پس بعض الفاظ ایسے بھی ہیں کہ ان کا پہلا حرف زائد یعنی حرفِ نقاب ہے- اور نیز آخری حرف بھی زائد یعنی حرفِ صوت ہے- اس تغیر کا نام ہم نے "نقاب صوتی" رکھا ہے- اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں عربی ماخذ بین السدین مقید ہوگا گویا ایک لفظ نے پردا پوشی کے علاوہ تدلیس بھی کی ہے تاکہ اس کی پہچان محال ہو جائے- پس ہم پہلے اور آخری حرف کو چھوڑ کر بین السدین سے عربی ماخذ کو برآمد کریں گے- مثلاً:-

۱۱۰- SECRET- بھید = (S)CR(T) سِرّ- بھید

۱۱۱- FERRET- بلی = (F)R(T) هِرّة- بلی

۱۱۲- APPOINT- معین کرنا = (P)N(T) عَیّن- معین کرنا

۱۱۳- SCABBARD- نیام = (S)CRB(D) قراب نیام-

گویا لفظ قراب S اور D کے دہرے دباؤ سے مقلوب بھی ہو گیا ہے- اور یہ تدلیس نہیں تو اور کیا ہے؟

قسم چہارم- وری کا نہ تطلس

نقابی غُنّہ

بعض الفاظ میں پہلے حرف کی زیادت کے علاوہ نون یا میم غنہ بھی پیدا ہو جاتا ہے- گویا نقاب پوشی کے علاوہ بہ تکلف طیلسان پوشی بھی عمل میں آتی ہے اس تغیر کو ہم نے نقابی غنہ کہا ہے- پس ہم پہلے حرف اور نون یا میم غنہ کو زائد شمار کریں گے- مثلاً:-

۱۱۴- P + اِدّریس- شہزادہ = (PRIC) = PRINCE

۱۱۵- F + لَقَع- پھینکنا = (FLIG) = FLING

۱۱۶- B + آلطلع- بے دانت = (BLUT) = BLUNT

۱۱۷- B + قعرہ - گڑھا = (BUKER) = BUNKER

۱۱۸- B + عَلَق - متعلق ہونا = (BELOG) = BELONG

۱۱۹- B + جَحَل - غلطی کھانا = (BUGLE) = BUNGLE

۱۲۰- S + حَسّ - محسوس کرنا = (SES) = SENSE

۱۲۱- F + رَجَا - کنارہ = (FRIG) = FRINGE

اِن الفاظ میں علاوہ حرفِ نقاب کے نُون غُنّہ زائد پیدا ہوگیا ہے۔

۱۲۲- S + وَعث - بسنے والی زمین = (SWAP) = SWAMP

۱۲۳- W + عبل - بٹنا = (WIPLE) = WIMPLE

۱۲۴- B + عَبّ - پینا = (BUBO) = BUMBO

۱۲۵- B + دَبَل - جھاڑیاں = (BRABLE) = BRAMBLE

۱۲۶- B + حَفا - بھاڑنا = (BUP) = BUMP

اِن الفاظ میں حرفِ نقاب کے علاوہ میم غُنّہ زائد پیدا ہوگیا ہے اور میم غُنّہ ہمیشہ B یا P کیساتھ پیدا ہوا کرتا ہے۔ جیساکہ آپ دیکھتے ہیں پس ہمارا حل ہر لحاظ سے اصول کے اندر ہے۔

خدا تعالیٰ کے پیاروں کا کلام حکمت اور برکت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو فارمولا رفعِ نقاب کے ماتحت الفاظ کی چار قسمیں ہیں۔

اوّل - الفاظِ نقابی۔ یعنی وہ جو لَفع وجہہ بردائٍ کے مصداق ہیں جنہوں نے چہرے پر نقاب ڈالا۔ مثلاً الفاظ ۱ تا ۱۰۰۔

دوم - نقابِ مقلوب۔ یعنی نکر شخصہ لحیاءٍ۔ جو نقاب پوش بھی ہوئے اور حرفِ نقاب کی وجہ سے مقلوب بھی ہوگئے۔ مثلاً ۱۰۱ تا ۱۰۹

سوم - نقابِ صوتی۔ یعنی صبغ الاطمار ودلس جو نقاب پوش ہونے کے علاوہ آخر میں ایک زائد کانسونینٹ لگاکر تصنع اور تدلیس کرنیوالے ہوئے مثلاً ۱۱۰ تا ۱۱۳۔

چہارم - نقابی غُنّہ۔ یعنی واری کاتہ تطلّس۔ یعنی نقاب پوش ہونے کے علاوہ نُون یا میم غُنّہ اُن میں زائد ہوا۔ گویا تکلّف سے وہ طیلسان پوش بھی ہوئے۔ مثلاً ۱۱۴ تا ۱۲۶۔

فارمولا رفعِ نقاب کے تحت مختلف زبانوں کے ایک ہزار الفاظ تک ہم پیش کر سکتے ہیں۔ PROSTHESIS چونکہ مسلّمہ طور پر ایک کھوٹ، تکلّف اور تصنع ہے اور ایک آمیزش اور اضافہ ہے اس لئے فارمولا رفعِ نقاب بھی عربی کے اُمّ الالسنہ اور قدیم ترین زبان ہونے کے حق میں ایک محکم دلیل ہے۔ کیونکہ خالص چیز پہلے ہوتی ہے اور اس میں ملاوٹ بعد میں کی جاتی ہے۔ اور جب ہم نے اس آمیزش سے الفاظ کو پاک کیا تو عربی ماخذ اس طرح نکل آیا جیسے بادلوں سے چاند۔ بقول اسکے ؎

بدیں رُوئے روشن نقاب از چہ رُو
چو کس جز تو نبود حجاب از چہ رُو

عرضِ حال

اِن مضامین کی یہ چودھویں قسط ہے اور (ماسوا رفعِ اغلاط) اب تک اصولی طور پر تمام فارمولے جن کا شروع میں وعدہ کیا گیا تھا بیان ہوچکے ہیں یعنی اصول رفعِ ابدال، رفعِ لین، رفعِ زوائد، رفعِ مقلوبیت، رفعِ تنوین، رفعِ خفّت، رفعِ ثقالت، رفعِ اختلاط اور رفعِ نقاب اور ہر ایک فارمولا بفضلہٖ تعالیٰ بارگاہِ "منن الرحمٰن" سے سند یافتہ ہے۔ جیساکہ ناظرین ہر قسط کے شروع میں منن الرحمٰن کی عبارت دیکھتے چلے آئے ہیں۔ گو بعض ضمنی اور فروعی قاعدے ابھی بیان کرنے باقی ہیں لیکن اصولِ تحقیق سب بیان ہو چکے ہیں۔

راقم نے مذکورہ بالا فارمولوں کے ذریعہ سے حسبِ ذیل زبانوں کے اکثر لغات کا عربی ماخذ تحقیق کیا ہے یعنی سنسکرت

لاطینی، جرمن، فرانسیسی، انگریزی، ہندی، فارسی۔ اور یہ مواد تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ عاجز نہیں کہہ سکتا کہ یہ تمام تحقیق طباعت پذیر ہوگی یا نہیں۔ الفرقان کی کرم فرمائی سے یہ سلسلۂ مضامین اصولاً تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ہر زبان کے لحاظ سے ایک اور رنگ میں مضامین انشاء اللہ شائع ہوتے رہیں گے۔ وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العالمین۔

اگر ناظرین الفرقان کی مدد کریں تو عاجز مندرجہ بالا سات زبانوں کے لحاظ سے قسیم وار الفاظ کی لغت الفرقان کے خاص نمبروں کے ذریعہ سے شائع کرا سکتا ہے یا اس کی کوئی اور سبیل ہو سکتی ہے۔

بہرحال باوجود کم علمی کے ؎
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

”سعودی عرب کی سیاست میں عظیم الشان تبدیلی“

(بقیہ از صـ۳۶)

بھی اس موقع پر ہماری تعزیت و مبارکباد کیلئے تشریف لائے اور جدہ مقام پر ایک اجتماع میں ہم نے محبت اور دوستی کے جذبات کا تبادلہ کیا۔

یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ہمیں اس امر کی بڑی خوشی اور مسرت ہے کہ ہمارے دوستانہ تعلقات اسلامی سلطنتوں سے قائم ہیں۔ جن میں سے مخصوص طور پر ہم پاکستان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد صاحب اس مصیبت میں ہمدردی کرنے کے لئے یہاں پہنچے۔ انہوں نے ہمیں بادشاہت کے سنبھالنے پر مبارکباد بھی دی۔ اور ان کی یہ تشریف آوری ہمارے دوستانہ تعلقات کو زیادہ کرنے کا موجب ہوئی اور پاکستان کی معزز سلطنت سے ہمارے تعاون میں اضافہ ہوا۔ اور یہ بات ہمارے لئے بڑی خوشی کا موجب ہے۔

ہم ایسے کام کرتے رہیں جو مشرق و مغرب کے مسلمانوں کی بہتری اور کلمۂ اسلام کی عظمت کو قائم کرنے والے ہوں۔

ہم میں سے ہر ایک کو بخوبی معلوم ہے کہ بلادِ عربیہ میں ایک خطرناک ناسور قائم کر دیا گیا ہے جسکے مجرمانہ افعال کی تاریخ میں کوئی مثال موجود نہیں۔ اس ناسور سے میری مراد فلسطین میں یہودی صیہونیوں کی سلطنت کا قیام ہے۔ اس سلطنت نے قریباً دس لاکھ عرب مسلمانوں کو قتل و غارت اور جلا وطنی کا نشانہ بنایا ہے۔ اب وہ پرانے جرائم پر اکتفا نہ کرتے ہوئے نئی تعدی اور نئے مظالم کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ جس پر انکی وہ آئے دن کی زیادتی گواہ ہے جو وہ عرب ممالک کی حدود پر کرتے رہتے ہیں۔ اس یہودی سلطنت کی موجودہ پوزیشن نہ صرف پڑوسی عرب ممالک کے لئے خطرہ ہے بلکہ تمام عربی ملکوں کیلئے ایک مستقل دھمکی ہے۔ بلکہ ہمیں کہنا چاہیئے کہ یہ لوگ دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کیلئے خطرناک دشمن ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی مدد سے تمام عرب سلطنتوں کے ساتھ مل کر اور دیگر مسلمان حکومتوں کے تعاون سے صیہونیوں کے اس ظلم و عدوان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

جہاں تک عرب ممالک سے باہر ہماری عام سیاست کا تعلق ہے ہم ہمیشہ اس اصول پر قائم ہیں کہ ہمارے سیاسی تعلقات سب کے ساتھ بہتر ہونے چاہئیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر اس سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھیں گے جو ہم سے اظہارِ دوستی کرتی ہے۔ اور اس بارے میں ہم سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہو۔

ہمیں اس امر کا سخت افسوس ہے کہ ابھی تک وہ مشکل اور اختلافی مسئلہ حل نہیں ہو سکا جو ہمارے اور ہماری دوست سلطنت حکومت برطانیہ کے درمیان پیدا ہوا ہے۔ ہم مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی سیادت اور اپنے وراثتی حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے امن پسندانہ طریقوں سے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے حکومتِ برطانیہ کے ساتھ گفت و شنید جاری رکھیں۔ ہمیں پختہ امید ہے کہ انشاء اللہ [illegible] کوئی دوستانہ حل نکل آئے گا۔“

وشعينا. لقد جعل الاسلام الأمر شورى بين المسلمين فأول ما عقدنا العزم عليه هو أن نجعل منكم اخواننا وأبناءنا وزراءنا موضع ثقتنا ومشورتنا لنتعاون معكم على النهوض بأعباء الحكم فى هذه البلاد فأنشأنا هذا المجلس (مجلس الوزراء) ليكون مصدرا لجميع الأعمال التى نقوم بها فى خدمة هذه الدولة وسيكون اى عمل فى الدولة مصدره ومرجعه منكم واليكم على أساس مايقوم به كل منكم من اعباء وكلنا الامر فيها اليه طبقا للانظمة المقررة له.

وقد تسابقت وفود أكثر الدول العربية الشقيقة الينا لتعزيتنا وتهنئتنا ومشاركتنا الضراء والسراء فلاقينا من مواساتهم ما اشعرنا ان المصاب كان مصابنا جميعا وقد انتهزنا هذه الفرصة فتبادلنا الآراء والافكار معهم لما فيه مصلحة العرب وكان آخر ذلك ما سعدنا به من زيارة حضرة صاحب الجلالة أخينا الملك حسين الذى اجتمعنا به فى (بدنه) حيث واسانا فى مصابنا وهنأنا بتوليتنا عرش مملكتنا وتبادلنا شعور المودة والاخاء بيننا وكذلك فاننا نشعر فى قرارة نفسنا بالسرور العظيم للعلاقات الودية القائمة بيننا وبين الدول الاسلامية الصديقة وأخص بالذكر منها دولة الباكستان التى قام رئيسها العظيم السيد غلام محمد بزيارتنا لمواساتنا فى مصابنا وتهنئتنا بارتقائنا عرش هذه المملكة وانا نؤيد صلاتها الودية وتعاوننا مع حكومة باكستان الصديقة العزيزة وانه ليسرنا أن نقوم بكل عمل فيه جمع لكلمة الاسلام والمسلمين فى مشارق الأرض ومغاربها.

كلنا يعلم ذلك السرطان الذى انشىء فى جسم البلاد العربية فقام بأفظع ما عرفه التاريخ من الاجرام حيث قتل وشرد ما يقرب من مليون مسلم عربى من فلسطين ذلك السرطان هم الصهيونيون من اليهود الذين عرف التاريخ اجرامهم منذ القدم حتى اليوم وهم لم يكتفوا بما قاموا به من اجرام بل انهم يعدون العدة لعدوان جديد على البلاد العربية تمثلها اعتداءاتهم المتكررة على حدود البلاد العربية المجاورة لهم وهم فى وضعهم الحاضر لا يهددون البلاد العربية المجاورة لهم فحسب بل يهددون العرب فى بلاد العالم كله ونستطيع أن نقول اكثر من ذلك فانهم يهددون الاسلام والمسلمين فى اقطار الارض كافة ونحن حاملون مع الدول العربية ومع من يتفق معنا من الدول الاسلامية للدفاع عن انفسنا ضد هذا العدوان والله ناصرنا بحوله وقوته.

ان سياستنا العامة خارج نطاق الدول العربية هى السعى الدائم لتحسين علاقاتنا السياسية مع الجميع وانا بعون الله عاملون على تقوية هذه الصلات الودية مع كل الدول التى تظهر الصداقة وترغب فيها معنا.

وانا آسفون ان تكون هناك مشكلة بيننا وبين الحكومة البريطانية الصديقة لم نتمكن من الوصول الى تسوية فيها حتى الآن ونحن عاملون ما فيه الجهد للمحافظة على كياننا وسيادتنا وحقوقنا الموروثة بالتفاوض مع الحكومة البريطانية لانهاء المشكلة بالطرق السلمية ولنا وطيد الأمل بالوصول الى حلها بصورة ودية ان شاء الله»

(ام القرى مکہ المکرمہ ٦ رجب ١٣٧٣ ہجری)

ترجمہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد

جس کے فضل سے تمام نیک کام سرانجام پاتے ہیں، جس کی مدد اور قدرت سے تمام کوششیں اور امیدیں پوری ہوتی ہیں۔ اور سلام اور درود ہو ہمارے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہمارے لئے اللہ کی طرف سے ایسی شریعت لائے جو دنیا و آخرت کی بھلائی کی کفیل ہے۔

اما بعد ہم میں سے ہر ایک کو اس عظیم الشان حادثہ کا پورا پورا اندازہ ہے جو ہماری اس سلطنت کے بانی اور ہماری بزرگی کے موجد یعنی ہمارے والد بزرگوار عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل قدس اللہ روحہ کی وفات سے ہمارے لئے واقعہ ہوا۔ مرحوم بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے آباء و اجداد کی بزرگی کو دوبارہ قائم کر دیا اور ہماری اس سلطنت کی بنیاد قائم کی یہاں تک کہ دنیا میں سعودی سلطنت کو اپنے مناسب حال مقام حاصل ہو گیا جیسا کہ مرحوم کو ایک عظیم الشان مقام حاصل تھا۔ انہوں نے ہمارے لئے دنیا بھر کی محافل میں جو نیک شہرت اور عمدہ ورثہ چھوڑا ہے ہم اسے اپنے لئے ایسا بنیادی فخر سمجھتے ہیں جس کا ذکر رہتی دنیا تک رہے گا۔ ہمارے لئے اس عظیم الشان حادثہ میں تسلی کا موجب یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صبر اور حوصلہ کی توفیق بخشی اور ترقی کا جو طریق ہمارے والد بزرگوار نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا اس مصیبت کی ہولناکی ہمیں اس راستہ سے منحرف نہ کر سکی۔ پھر آپ لوگوں کا ہمارے ساتھ ہمدردی کرنا ہمارے لئے تقویت کا موجب بنا اور پورے دل سے ہماری بیعت کرنا ہمارے دلوں کے زخموں کے لئے مرہم کا کام کر گیا ہے۔ عرب قوم کا ہماری تائید پر جمع ہو جانا اور کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق بیعت کر لینا ہمارے لئے بہت حوصلہ افزا ہے۔ یہ واقعہ ہمیں اس طریق کی یاد دہانی کراتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خلفائے راشدین کے وقت میں کرتے رہے ہیں۔ بہرحال یہ امر ہمارے لئے، آپ کے لئے اور ہماری قوم کے لئے تسلی کا موجب ہے۔ اور اسی نے ہمیں نئے سرے سے اپنے ملک کی ترقی اور اپنی قوم کی بھلائی کے لئے رات دن مسلسل کام کرنے کے لئے آمادہ کر دیا ہے۔

جب سے ملک کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں آئی ہے ہماری یہی نیت رہی ہے کہ کتاب اللہ کے احکام کی پوری تعمیل کی جاوے اور پیغمبر علیہ السلام کی سنت اور سلف صالحین کے طریق کی اتباع کریں۔ بعد ازاں سیاست، ایڈمنسٹریشن اور اصلاح کے تمام طریقوں میں ہم اپنے والد بزرگوار کی پیروی کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو طریق انہوں نے ہمارے لئے کھولا ہے اور جن اعمال کو ہمارے لئے جاری کیا ہے ان تمام طریقوں اور اعمال کو ملک و ملت کی بھلائی کے لئے جاری رکھیں۔ اسلام نے سلطنت کے معاملات کو مسلمانوں کے باہمی مشوروں سے طے کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ پس ہم نے سب سے پہلے یہ عزم کیا ہے کہ اپنے بھائیوں، اپنے بیٹوں اور اپنے وزراء کو اپنے پورے اعتماد میں لیں اور ان سے مشورہ حاصل کریں تاکہ اس ملک میں حکومت کے معاملات کو باہمی تعاون سے سرانجام دیا جاوے۔ اسی غرض کے لئے ہم نے اس مجلس (مجلس وزراء) کو قائم کیا ہے۔ تاکہ ملکی خدمت کے لئے ہمارے تمام کام اس ذریعہ سے انجام پائیں۔ سو اب آئندہ حکومت کے تمام معاملات کا منبع اور مرجع آپ لوگ ہیں اور اس بنیاد پر کہ آپ میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داری کے لئے جوابدہ ہوگا ہم نے نظام کے مطابق تمام معاملات اس مجلس کے سپرد کر دیئے ہیں۔

ہمارے والد بزرگوار کی وفات کے واقعہ پر اکثر عرب ممالک کے وفد ہماری تعزیت کے لئے اور پھر ہماری تاجپوشی کی مبارکباد دینے کے لئے حجاز کے دارالسلطنت میں آتے رہے ہیں۔ یہ تمام ممالک عسر و یسر میں ہمارے شریک ہیں۔ ان کے یہاں آنے کے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ ملکی اور سیاسی معاملات میں تبادلۂ خیالات کیا۔ ایک خاص قابل ذکر امر یہ بھی ہے کہ ہمارے بھائی ہز میجسٹی شاہ حسین

(باقی ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳ پر)